

محدث

وَرَدَّ إِلَيْنَا بِاللَّيْلِ
وَسَبَّحَ بِحَمْدِ اللَّهِ



مجلس التحقيق الإسلامي كاردن باؤن لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام **محدث** تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے **محدث** وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر **محدث** پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث لاہور

جلد ۸	جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ	عدد ۵
-------	---------------------	-------

فہرست مضامین

- ۱۔ فکر و نظر ڈگلیں اور ان کا انجام ادارہ ۲
- ۲۔ کتاب و حکمت امت کا تعلق ولادت نہیں، بعثت سے ہوتا ہے ... مولانا عزیز بیدی ۷
- ۳۔ السنۃ والحدیث ہر مبارک دن کا جشن نہیں منایا جاتا ۱۱
- ۴۔ دارالافتاء تعاقب (بر مشلہ طلاق ثلاثہ) ۱۴
- ۵۔ بحث و تحقیق محفل میلاد کتاب سنت کی روشنی میں فضیل الشیخ عبدالعزیز بن باقر
مترجم: مولانا سیف الرحمن ۱۷
- ۶۔ نقد و نظر اسلام کا قانون سرتہ برقی التوحیدی ۲۵
(بہ سلسلہ تعزیرات اسلام) (۲)
- ۷۔ مقالات فلسطین، فلسطینیوں کا ہے پروندہ محمد سلیمان ظہر ۳۸
- ۸۔ تعارف و ترجمہ کتب از مغاز حرم طالب ہاشمی ۴۸
- ۹۔ شعر و ادب لہور لاہور کا (بیاد ۹ اپریل ۱۹۷۷ء) ۷

ناشر: حافظ عبدالرحمن مدنی طابع: چودھری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴، شاہ فاطمہ جناح، لاہور

نرسالہ: ۱۵۶۰ روپے فی پرچہ ۱۹۵۰ روپے

فکر و نظر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ڈینگیں اور ان کا انجام

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (پ ۲۰ - العنکبوت ع)

”اور منکرین حق مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم خود اٹھائیں گے حالانکہ یہ لوگ ذرہ برابر بھی ان کے گناہوں (کا بوجھ) نہیں اٹھانے کے، یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔“
دور اول سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ: جو بے خدا چودھری ہوتے ہیں یا با اثر رسد گیر لوگ تو وہ عوام کو جھوٹے سہارے بیا کرتے ہیں اور ان کو سبز باغ دکھاتے رہتے ہیں۔

واعیان حق کے پیچھے چلنا چھوڑ کر سہارے پیچھے پیو لیجیے۔ اگر تم پر کوئی آئینہ آئی تو تم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے، بچا لیں گے، اگر ہمارا دامن مل گیا تو پکھڑیں کر اٹھیں گے، یوں کہ دنیا تمہیں دیکھ دیکھ کر خوش کراٹھے گی۔ — علامہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”گناہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آلو اور ہماری راہ پر چلو، تم ”تکلیفوں اور نینداؤں سے بچ جاؤ گے، مفت میں کیوں سیسٹین جھیل رہے ہو اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو

”خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا“

کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے۔“ کما قال الشاعر

ع قد شق نازک خون و د عالم میری گردن پر

ان ذلیل اور خدا کے نافرمان لوگوں کی تون بھی دیکھیے کہ جس طرح آج لوگوں سے کہتے ہیں کہ تھلنے میں جا کر ہمارا نام لے لینا، بس تمہیں کوئی بھی نہیں پوچھے گا — وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت میں بھی خدا کے ملاں وہ کچھ اسی قسم کی ڈینگیں ماریں گے اور بار پائیں گے، حالانکہ وہاں معاملہ تو اس کے بالکل برعکس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان بر خور غلط لوگوں کی بے بسی کی تصویر کھینچتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَاذْذِيعَا جُوعَ فِي السَّارِ يَقُولُ الضَّعْفُ الْبُذِينِ اسْتَكْبَرُوا تَاكُذًا لَكُمْ تَبَاعْهَلْ
اَنْتُمْ مَعْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ السَّارِ قَالَ الْمَذِينِ اسْتَكْبَرُوا تَاكُذًا لَّكُم مِّنْهَا رِثٌ اللّٰهُ
قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِہ رِثًا - مومن ۷

اور ایک وقت (جو گا کر دوزخی) دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے
لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ تم تو تمہارے تابع تھے تو اب تم تو بڑی سی آگ بھی ہم پر سے کم
کر سکتے ہو، بڑے لوگ کہیں گے کہ (اب تو) ہم (تم) سب اسی داگ) میں (پڑے) ہیں۔ اللہ (کو اپنے)
بندوں کے بارے میں (جو کچھ) حکم (دینا تھا سو) دے چکا
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن یہ لوگ معذرتیں پیش کریں گے لیکن وہ ان کو کچھ بھی فائدہ نہ
دیں گی۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا تِلْكَ لَمَنْ سَوَّاهُ تَارِ
رِثًا - مومن ۷

جس دن منافرانوں کو ان کی معذرت (کچھ بھی) نفع نہ دے گی اور ان پر نڈائی پھینکا رہے گی اور
ان کو (بہت ہی) برا گھر (رہنے کو) ملے گا۔

قرآن حکیم ان ذیل اور احقانہ حرکتوں کا ذکر کفار کے نام سے کرتا ہے کیونکہ ایسی حرکتیں کافر ہی کیا
کرتے تھے۔ بندہ مسلم ان ذیل کاموں سے بالکل پاک تھے، اس کے یہ متنی نہیں کہ کافر سے تو وہ گردن نہ لی
مسلم ایسے کر تو کرے تو سبحان اللہ اور خیر سلہ۔ بہر حال جو کام کافر کرتا تھا وہ اب مسلم کیا کرتا ہے۔

دنیا میں کمزوروں کا استحصال کچھ اسی قسم کے استحصال ہتھکنڈوں سے کیا جا رہا ہے اور ان
کو مشکل میں کام آنے کا ہی جھاندرے کے استعمال کیا جا رہا ہے لیکن جب وقت آیا تو دنیا نے اپنی آنکھوں
سے دیکھ لیا کہ مشکل میں کوئی کسی کے کام نہ آ سکا بلکہ جب ان کے اپنے پاؤں جلنے لگے تو انھوں نے
انہی کو اٹھا کر اپنے پاؤں کے نیچے دے دیا اور اپنی جان بچائی۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ، مرف کسی کا نہیں، اپنا بھی بوجھ ان کو اٹھانا ہوگا، یعنی وہ خود جو
جھگٹیں گے، جھگٹیں گے، ان کا جھگٹنا تم بھی جھگٹو گے۔ اور جو ڈنگیں مارتے رہے تھے ان کا
بھی تم سے حساب لیں گے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اَنَّا لَمَعْنَا مَعَهُمْ وَلَيَسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا
يَفْعَلُونَ رِثًا - العنکبوت - ۱۷

”اور ہاں اپنے (بھی) بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی۔ اور تباہی کے دن ان سے ان کی انفر پروازیلوں کی باز پرس بھی ضرور ہوگی۔“

انسان کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہوتی ہے کہ اپنی حماقتوں کے علاوہ دوسروں کی حماقتوں کی جو اپنا کا بوجھ بھی اس کے کندھے پر آ پڑے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

ان کا لوگوں سے یہ کہنا کہ تم ہمارے ساتھ ہو، تو تمہارے نفع و نقصان کے ہم ذمہ دار ہوں گے، آخرت میں بالآخر یہی چیز ان کو لے بیٹھے گی۔ جتنے بھی لوگ ان کے بہکاوے میں آجائیں گے، ان سب کو خود بھی اس کا بھگتنا ہوگا اور اس میں مار خان“ کو بھی ان سب کا تنہا جواب دینا پڑے گا اور جتنے جوتے ان بہک جانے والوں کو الگ الگ پڑیں گے وہ سب جوتے اس بہکانے والے کو تنہا بھی کھانے ہوں گے۔ بلکہ جو بد نصیب لوگ ان باتوں کو لوگوں کے بھرے میں اگر ذلیل و خوار ہوں گے ہوں گے وہ اب یک زبان ہو کر خدا سے یہ بھی کہیں گے کہ:

رَبَّنَا آدِنَا لَآئِذِينَ آخَلَّتْنَا مِنَ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُمَّا تَحْتَ أَثْدَانِنَا كُوتَا مِنَ الْآسَفِينَ (پا۔ سجدہ ۴)

”اے ہمارے رب! شیطان اور آدمی جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا (ایک نظر) ان کو ہمیں (بھی تو) دکھا کہ ہم ان کو اپنے پیروں سے (سل) ڈالیں تاکہ وہ سب سے نیچے ہو رہیں۔“

یعنی یہ لوگ جس قدر بڑے بگتے اور بڑے بن کر ہمیں استعمال کرتے رہے تھے آج ہمیں رقعہ دے کہ اتنا ہی ہم آج ان کو اپنے پاؤں تلے دے کر کھیں اور اپنے پاؤں میں ان کو رکھیں تاکہ آج وہ سب سے نگو“ اور ذلیل و خوار ہو رہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ بڑے رسگیر لوگ جو خلق خدا کو خدا کے ہاں بھی اپنی ذمہ داریاں نبانہ کا یقین دلاتے پھرتے ہیں، یہ صرف اپنی دھونس جھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادُونَكَ فِي آيَةِ اللَّهِ بِفَيَسُلْطَاتِ أَهْلِهِمْ إِنَّ فِي صُدُورِهِمْ لَأَكْبُرُ سَمَاهُمْ بِبِالْعِيَةِ (المومن: ۵۶)

”جن لوگوں کے پاس (خدا کی طرف سے) کوئی سند تو آئی نہیں اور (ناحق) خدا کی آیتوں میں جھگڑے

نکالتے ہیں، ان کے دلوں میں تو بس بڑائی رکھی ایک بے جا ہوس سمائی ہے کہ وہ (ایسی) اس (مرا) کو کبھی پہنچنے والے نہیں۔“

جو لوگ کل تک برسر اقتدار تھے، اور ”اَنَا دَلَاغِي“ کے جیسے ان کے ڈنکے بجتے تھے، جو اگر جتے

کے گھٹے میں بھی ایک کا غذا پرزہ باندھ کر تھانوں اور حکام اور افسران نامدار کو بھیج دیتے تو ان پر سکتہ طاری ہو جاتا تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ ہاں ہاں جا کر ان سے ہمارا نام لے دینا، پھر دیکھیں گے کہ کام کیوں نہیں ہوتا۔ آج ان کی اپنی حالت جا کر دیکھیے کہ کس بے بسی کے عالم میں پڑے ہو رہے ہیں، اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا کیا بننے والا ہے۔ ان کے ذمے صرف اپنے گناہ اور ن ترانیاں نہیں ہیں۔ ان کو اب ان لوگوں کے کرتوتوں کا بھی حساب دینا پڑ رہا ہے جن سے وہ کہا کرتے تھے کہ ع

ترشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

یقین کیجیے! خدا کے ہاں تو ان کی کوئی بھی بات نہیں چھپی، خدا جانے وہاں ان کا کیا بنے گا، جنھوں نے ان کی شر پر غلط کار اور جرائم پیشہ لوگوں کو اقتدار بخشا، جن کے سہارے پر انھوں نے سیاہ کام کیے، جن کی ہلاکتی سے غلط کاریوں کے لیے ان کے حوصلے بلند رہے، جن بچہ سقوں نے جام کے دام چلائے اور جو لوگ ان مفاد پرستوں کے ایما پر حق خدا کے دوش پر سوار رہے، ان کا جو وہاں شتر ہوگا، وہ تو اور ہی دیدنی ہوگا۔ وہاں ان کا ایک ایک فرد چلا اٹھے گا اور دہائی دے گا کہ: الہی! ہم ان چودھروں کے بھروسے میں آگئے تھے، انھوں نے ہی ہمارا میٹر اغرق کیا، ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر پھٹکارا دو لعنتوں کی بارش کروے۔

يَوْمَ تَقُفُّهُمْ اَوْبُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ لَوْلَا الَّذِي نَسَا اَطَعْنَا اللَّهَ وَآطَعْنَا الرَّسُولَ وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَانَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيلَ رَبَّنَا اَتَيْهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَاللَّعْنَةُ لَعُنَّا بِكُمَا دِكْ - (الاحزاب ع)

”یہ وہ دن ہوگا جب ان کے متر (سج کے کباب کی طرح ووزخ کی آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے اور افسوس کے طور پر کہیں گے کہ لے کاش! ہم نے نسیا میں) اللہ کا کہا مانا ہوتا اور اے کاش! ہم نے رسول کا کہا مانا ہوتا، اور یہ بھی کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا اور انھوں (ہم) نے ہم کو گمراہ (بھی) کیا۔ تو اے ہمارے رب ان کو دہر عذاب دے اور ان پر بڑی بڑی لعنت کرے“

الغرض، ڈنٹیں مار مار کر جو لوگ عوام کا استحصال کرتے رہتے تھے جب ان کو ڈیٹنگوں کی سزا ملے گی اور جو تھے پڑیں گے تو اسی وقت ان لوگوں کو بھی جوتے پڑیں گے جو لالچ کی وجہ سے ان سے بھرے میں اگر غلط راہ پر چل پڑے تھے، چونکہ خدا علیم اور جبر ہے اس لیے وہاں ان مجرموں میں سے کسی کو ”وعدہ معاف“ گواہ بنا کر معاف نہیں کیا جائے گا، گو وہ کتنا ہی واویلہ کریں گے کہ ہمیں فلاں

فلاں شخص نے خراب کیا تھا، تاہم اس کی وجہ سے یہ تو ہوبائے گا کہ گمراہ کرنے والوں کی سزا گنتی ہو جائے لیکن اتنی سی بات سے وہ خود چھوٹ جائیں شکل ہے۔ اس لیے لوگوں کو یہ بات دل سے نکال دینی چاہیے کہ کل وہ یہ کہہ کر نجات پا جائیں گے کہ ہم نے غلط کام خود دھوڑا کیا تھا ہمیں تو طلاں نے ہی گمراہ اور استعجال کیا تھا۔ کیونکہ خدا نے عقل بھی دی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے نفع و نقصان کے لیے خوب سوچ کر قدم اٹھاتے رہے تھے۔ یہاں آخر کیوں نہ سوچا کہ جس طرف فلاں بلا رہا ہے، اس کا آخر انجام کیا ہو گا؟ بہر حال یہاں عوام کی کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی۔ اس لیے کسی کے پیچھے ہو لینے سے پہلے اپنا نفع و نقصان سوچ لیجیے! کل یہ نہ کہنا کہ ہم اندھیرے میں رہے!

بیاد ۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء

لہو لاہور کا

نیزم ہیں ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کے سانحہ عظیم پر موصول ہوئی تھی لیکن اُن دنوں صحافت پر تدبیریں تھیں اب چونکہ ایسی ناروا پابندیوں کے تئیں بدلے میں لہذا ماہ اپریل کے انہی دنوں شائع کیا جا رہی ہے (مدیر)

کس ستم پیشہ نے یوں مانگا لہو لاہور کا
غرق یل خوں ہوئی ہے ہر درو دیوارِ شہر
قلعہ لاہور تک آتا رہا راوی کبھی
نعرۃ اللہ اکبر پر ٹٹا دی کائنات
جاں سپاری کی تمنا نے دیا اس کو دوام
کہسار وادی و صحرا ہوئے خونیں کفن
مولدِ اقبال میں بھی، شہرِ ذکرِ یامیں بھی
بے نیاز ساحلِ درگد آبِ طوفانِ جب ہوا
خونِ آشفقت ہوئی ہے سرزمینِ مہر ان کی
حیدر آباد و کراچی، سکھر و نواب شاہ
سامری فن شعبہ گراس سے بچ سکتا نہیں

ہر گلی کوچے سے کھنچ آیا لہو لاہور کا
بہر رہا ہے صورتِ دریا، لہو لاہور کا
مسجد شہدائے ک پہنچا، لہو لاہور کا
یوں شہادت کے لیے تڑپا، لہو لاہور کا
عشق کی راہوں سے جب گزرا لہو لاہور کا
اب نہیں میدان میں تنہا، لہو لاہور کا
قریرِ قریہ موجزن پایا، لہو لاہور کا
سندھ کی موجوں سے جالپٹا، لہو لاہور کا
پنج ند تک رہ نہ سکتا تھا، لہو لاہور کا
کر گیا ایک ایک کو زندہ، لہو لاہور کا
بن کے یل بے اماں اٹھا، لہو لاہور کا

رائیگاں نہ جاتے دیکھا خونِ اہلِ علم دیں
دستِ استبداد توڑے گا، لہو لاہور کا

الکتاب والحکمة

عنیز بیبی

اُمت کا تعلق ولادت سے نہیں بعثت سے ہوتا ہے!

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ ۱۲)

”(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے اور ان کو تمہاری پیروی کا ہوکا ہے (اور) وہ مسلمانوں پر نہایت درجے تک شفیع (اور) مہربان ہے۔“

امتوں کو واسطہ اور تعلق ہمیشہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہوتا ہے ان کی ولادت سے نہیں ہوتا۔ کیونکہ مبعوث کی بعثت ایک پیام، اسوۃ تبیین اور ارادۃ الطریق ہوتی ہے، کسی مولود کی ولادت میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا احسان فرمایا ہے، ان کی ولادت کا نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (الاحزاب ۷)

”یعنی اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی فضل کیا کہ ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔“

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ (الجمعة ۷)

”وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔“

کیونکہ اصل مقصود تعلیم، تزکیہ، طہارت اور حرکت کا اتمام ہوتا ہے، اور اس کا تعلق براہ راست بعثت سے ہوتا ہے، ولادت سے نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے انہی مفاد کا اتمام فرمایا ہے۔

يَتْلُو عَلَيْهِم آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعة ۷)

”جو ان کو (اللہ کی) آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے، اور ان کا تزکیہ کرتے اور ان کو کتاب و حکمت کی

تعلیم دیتے ہیں۔“

آپ جانتے ہیں کہ ان امور کا تعلق براہ راست مولود اور اس کی ولادت سے نہیں ہوتا۔ ہر سکتا ہے کہ یہ دل میں خیال آئے کہ مبعوث کی ولادت نہ ہوتی تو بعثت کی نوبت کیسے آتی؟ یہ سچا ہے لیکن ہم کہتے ہیں

کہ پھر اس کو شروع سے کیوں نہ شروع کیا جائے؟ اگر حضرت آدمؑ نہ ہوتے تو آپؐ کا ظہور کیسے ہوتا، پھر آپؐ کے آباء و اجداد نہ آتے تو آپؐ کی تشریف آوری کیونکر ہوتی؟ اگر ولادت کی بھی کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو آپؐ کی شہنشاہی کا دور بھی احکامِ دینیہ کا ماتخذ ضرور قرار دیا جاتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام خود بھی یومِ میلاد کا اہتمام کرتے، ان کے صحابہ اور دوسرے صلحاء بھی اس کی شعلیں ضرور روشن فرماتے، یہ کیونکر عشاق بھی تھے اور باذنوق بھی۔ حساس بھی تھے اور اسلام و ایمان کے تقاضوں اور دواعی سے باخبر بھی۔ ورنہ خاکِ بدین نہ ہی کہنا پڑے لگے کہ وہ راہِ و رسم سے بے خبر ہے جس کو بعد میں کچھ لوگوں نے دریافت کر لیا۔

ہمارے نزدیک یومِ میلاد "جمعی تقریب کی ایجاد، حجازی ذوق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عجیب رسم ہے جو ان لوگوں کی پختہ وار ہو سکتی ہے جن کے ترکش حیات قابلِ مثال اقدار سے خالی ہوتے ہیں اور وہ اب چاہتے ہیں کہ ان کے دورِ ذمہ داری کا مطالعہ چھوڑ دیں، چنانچہ انھوں نے لوگوں کے سامنے اپنے دورِ بچپن کو پیش کرنے کے لیے "سنگڑہ" کی طرح ڈالی، کیونکہ وہ معصوم اور پیارا دور ہوتا ہے، ان کی بچپن کی کہانی سے لوگوں کے ذوق کا مزہ بھی کچھ بدل جاتا ہے اور یاروں اور قدحِ خواروں کی قصیدہ خوانیوں سے اپنی خود نمائی کے لیے ایک تقریب بھی ہیا ہو جاتی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ اپنی ذات کی حد تک اپنے حیوانی دائروں میں ہر طرح سے سیر ہو رہے ہیں، وہ اپنے بچپن کے البیلے دور کو یاد کر کے پھر سے تازہ دم ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور زندگی کی مسرتانہ بے تابیوں کی تسکین کے لیے ایک نیا دورِ عیش و طوفان لانے کے لیے یہ ایک جیلد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مطہر اور مقدس زندگی ان تکلفات سے بالاداران کی حیاتِ طیبہ کا خاکہ زندگی ان جعلی رنگ آمیزئیوں کا بالکل محتاج نہیں تھا۔ پھر خدا جلنے یہ عجیب عشاق حضور کی مبارک زندگی کو ان تکلفات کے مارے لوگوں کی راہ پر ڈال کر، آپؐ کی کسبِ شان کے سامان کیوں کر رہے ہیں؟ گویا سنگڑہ کی رسم نے مزید ترقی کی ہے، لیکن یقین کیجیے! وہ پیام اور اسوہ سے خالی رہتی ہے۔

ہمارے نزدیک یومِ بعثت کے بجائے یومِ ولادت، پیراہل و ایک عجیب سازش کا نتیجہ ہے کہ دنیا "دورِ پیاپی" کے مطالعہ کا اہتمام کر کے کہیں بچپن نہ جائے، اس لیے ان کی یہ کوشش ہے کہ حضورؐ کی ولادت کی کوئی تقریب تخلیق کر لی جائے تاکہ معاملہ کام و دہن یا شعر و سخن کی حد تک محدود رہے اس سے آگے نہ بڑھنے پائے ورنہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ یومِ میلاد کو منانے ہوئے لوگ رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ طفولیت تک بھی محدود نہیں رہتے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پورے سراپا کو پیش کرنے

کی کوشش بھی کی جاتی ہے حالانکہ بات حضور کے ظہور کی تھی، یوم مبعوث کی نہیں تھی۔ اگر یوم میلاد منانا بھی ہے تو پھر اپنی اولاد کے لیے اس سے اسباق مرتب کیے جائیں اور ان کو اس رنگ میں رنگ کر محمدیت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے کے لیے ایک اساس ان کو ہیکر دی جائے تاکہ اس طرح وہ امت مسلمہ مشہود کی جاسکے جس کو جو دین لانے کے لیے پیغمبر خدا نے اپنی تمام پیغمبرانہ کوششیں صرف کر ڈالیں۔

یوم ولادت عجمی سالگرہ کا چرہ برہیں، جو صرف ان لوگوں کی تخلیق ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کو اپنانے کا فوہود نہیں رکھتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ ان کے حضور زدار نہ عقیدت پیش کر کے سرخرو ہوں۔ بالفاظ دیگر یہ کہ: خدا اور اس کے رسول کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ یَحْسَدُونَ اللَّهَ وَالرَّسُولَ الْمُنْكَر۔

ہم نے دیکھا ہے کہ جو افراد اور طبقے زبانی کلامی خراج عقیدت پیش کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں وہی لوگ "سنون علم و عمل" کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہی دامن ہوتے ہیں کیونکہ وہ دل کی بھڑاس نکال کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایک سال اب پاس ہو جائے گا، خدا اور اس کے رسول سے دور بھی زندگی گزری تو خیر سلا ہے، اگلے سال "عید میلاد" اور "یوم ماتم" منا کر پھر سے دور کسی مساقیت دو کر لیں گے۔ جو لوگ "عید میلاد" کے جلوس کی رونق کو دوبا لا کرتے ہیں، وہی لوگ "عید منگ نبی" ہوتے ہیں۔ منہ پر ڈالھی نہیں، بلکہ ڈالھی دیکھ کر ان کے تیور بدل جاتے ہیں، نماز کے نزدیک وہ نہیں جاتے، حقہ سگریٹ کا شوق وہ فرماتے ہیں، فلم اور سینما کی دنیا ان کے دم قدم سے آباد ہوتی ہے رسول کی نصرت گھا کر، پھر ملکہ ترقم اور کسی جھوکا رہ گئے فلمی گیت گاتے اور منہ کا مزہ بدلتے ہیں۔ ان فلموں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی پاک ہستی، کی یادوں منائی ہے جیسے سیاسیٹن سو کی مناتے ہیں، اسی جلوس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو دنیا داروں کی یاد اور سالگرہ مناتے وقت کرتے ہیں۔

ان کی "عید میلاد" اور "عید نبوت" کا نظارہ کرنے کے بعد ایک یا اصول ستجیدہ اور باذوق شخص بد مزہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے جلوس سیرت رسول کی حیات طیبہ کے نماز نہیں ہوتے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات گرامی کے عجمی عید کا ہدف بننے سے قبل ڈرتے تھے آپ کے وہ اندیشے بالکل سجا اور حرف بہ حرف صحیح نکلے۔

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم..... وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا" اردو الاہل واد

عن ابی ہریرۃ را بولعی المقدسی عن علی بن العیین

"حضور نے فرمایا: کہ میری قبر کو عید نہ بنا لینا۔"

اس کے ایک معنی قرہ ہیں کہ میری قبر پر سال بر سال میلہ نہ لگایا کرنا، دوسرے یہ کہ میری وفات کے بعد میری عید نہ منایا کرنا۔ قبر پر میلہ اور عرس کرنے سے قبر کی پوجا کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں اور غریبیت شرکیہ اور بدعتیہ کے لیے راہ ہموار ہوتی ہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی عید منانے کی صورت پہلی عید میلاد النبی ساگرہ اور دوسری سطحی یادیں اور قوالیں ہی ہو سکتی ہیں۔ یہ باتیں وہ ہیں کہ اگر کسی کو ضد سے ایمان پایا ہو تو آسانی سے سمجھ آ سکتی ہیں۔ ورنہ خدا حافظ!

رسول مقبول نمبر کے بعد ادارہ محدث کی عظیم پیشکش مکتبہ مصطفیٰ نمبر
آج کل دنیا مختلف انہوں اور نظموں سے سچی ہوئی جب اسلام کی طرف نظر اٹھاتی ہے تو اسے مسلمانوں کے بلند باگ و دعویٰ اور نعروں کے سوا خود نام لیاؤں کی زندگیوں میں وہ روشنی نظر نہیں آتی جسے انسانیت کے دکھوں کا مداوا کہا جاسکے۔ چنانچہ یہی چیز اسلام کی عظیم فوز و فلاح کے قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ لادینیت کے موجودہ دور میں مسلمانوں کی اس کمزوری کے اعتراف کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ کے بھروسوں سے وہ روشنی نظر آتی ہے جو اسلام کے دامن میں پناہ لینے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی سر بلندیوں کا پیغام دیتی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسی سیرت و کردار کو اپنائیں جو ہمارے لیے ماضی کا سر ملہ اختیار ہے و حال و مستقبل کی سر فرازیوں کا ضمان بھی۔

چونکہ سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے اولین ضرورت نقشہ کاری ہوتی ہے اس لیے ہم نے اسوۂ حسنہ کے طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تابناک پہلو محدث کی دو سابقہ ضخیم خصوصی اشاعتوں رسول مقبول نمبر (حصہ اول و دوم) میں پیش کیے تھے جو ہر دور کا ابدی پیغام ہے۔

گزشتہ سال کی تحریک نظام مصطفیٰ کے بعد ملک میں برسرِ اقتدار عبوری انتظامیہ کی مخلصانہ کوششوں سے دین اسلام کی کارفرمائی کی منزل قریب تر نظر آ رہی ہے۔ اسی لیے عبوری حکومت نے بانی پاکستان اور منکر پاکستان کے سالوں کے بعد رواں سال کو نظریہ پاکستان کے طور پر اسلام کا سال منانے کا اعلان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عوامی قربانیوں کی بدولت جو آوازاں سارے ملک کی متفقہ لپکار بن رہی ہے اس کا عملی نقشہ پیش کرنے کا چیلنج خواص ہی کہے۔ اسلام کے یہی خطوط اپنی اصل اور حقیقی شکل میں مکتبہ مصطفیٰ ہیں جن پر کار بند ہو کر ہی ملت پاکستانیہ اور ملت اسلامیہ صحیح صورت میں تشکیل پاسکتی ہے۔ چنانچہ علمی میلان میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے ادارہ محدث نے اپنی سابقہ روایات کے نمایاں شاخ مکتبہ مصطفیٰ نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے جو تباری کے مراحل میں ہے۔ عنقریب اس کا مکمل نقشہ بذریعہ اشتہار شائع کر دیا جائے گا۔ جن اہل قلم حضرات سے اس سلسلہ میں بالمشافہ یا بذریعہ خطوط تلمیعی تعاون کی گفتگو ہوئی ہے وہ اولین فرصت میں اپنی نگارشات بھیج کر شکر گزار فرمائیں (اداریہ)

السنة والحديث

عن یزید بن

ہر مبارک دن کا جشن نہیں منایا جاتا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَوَجَدَ الْيَهُودَ مَسِيحًا يَوْمًا عَاشُورَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذَا الْيَوْمَ الَّذِي تَصُومُونَ؟ فَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ أَلْحَى اللَّهُ فِيهِ مُوسَى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ قَصَامَهُ مُوسَى شُكْرًا فَصَوْمُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخُذُوا مِنْ أَخِي وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ قَصَامَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرٌ بِصِيَامِهِ (بخاری - مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے عاشورے کے دن یہود کو روزے پایا، چنانچہ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ یہ دن کیا، جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کو (فرعون) سے نجات بخشی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا، اس پر حضرت موسیٰؑ نے شکرانے کا روزہ رکھا، پس ہم بھی اسی دن روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے ہم زیادہ حق دار اور تمہاری یہ نسبت حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں، پھر آپؐ نے اس دن خود بھی روزہ رکھا اور اسی دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

واقعی اس لحاظ سے عاشورے کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے، جس کو دو عظیم پیغمبروں نے اور ان کی دونوں امتوں نے خصوصی اہمیت دی لیکن اس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم نجات کا جشن نہیں منایا۔ ہاں اس دن شکر و امتنان کے جذبہ کی تسکین کے لیے اتنا ضرور کیا کہ لوگ اس دن روزہ رکھ کر اپنے کو خدا کے حوالے کریں اور پوری مسلمانی کا ثبوت دے کہ اس کا شکر یہ ادا کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ قوم یہود نے اس دن روزہ رکھا بھی تو صرف اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا تھا، لیکن ایک ہم ہیں کہ اپنے پیغمبر سے ہم پوچھتے ہیں نہ ان کے اسوۂ حسنہ کو دیکھتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہود اس دن کی ایک دن کی حیثیت سے بڑی

”تفہیم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اگلے سال تک رہا تو پھر نویں کا روزہ رکھوں گا لَنْ لَقِيَنَّ
رَالِي قَابِلٍ لَّا صَوْمَتِ النَّاسُ“ (رداء مسلم) دراصل روزہ کی تجویز بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
”جشن کے امکانات“ پر پانی پھیرنے کے لیے اختیار فرمایا کرتے تھے، مگر یہ لوگ ”عید میلاد“ مناتے
ہیں اور حضورؐ نے اپنے یوم میلاد کے لیے روزہ تجویز فرمایا ہے تاکہ یہ دن ”جشن اور عید“ بن کر نہ جا
کیونکہ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ يَوْمَ الْمَسْبُوتِ
وَيَوْمَ الْأَحَدِ أَكْثَرًا يَصُومُ مِنَ الْأَيَّامِ وَيَقُولُ (كُفُّمَا يَوْمًا لَعِيدًا لِلْمَشْرُوكِ بَنِي قَا نَا أَحِبُّ
أَنَا أَخَاهُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ جَابِرٍ وَابْنُ خَرِيمَةَ وَصَحَّاحُ)
”حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے دنوں کی بنسبت ہفتہ وار
اتوار کے دن زیادہ روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکوں کے روزے عید ہیں اس لیے
میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔“

معلوم ہوتا ہے کہ انہی امکانات ”جشن“ کے انہماک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
اپنے یوم میلاد کے لیے بھی ”روزہ“ تجویز فرمایا ہے، اس لیے:
عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَوْمِ الْإِشْتِينَ
فَقَالَ لَهُ فِيهِ وَلِدَاتُ فِيهِ أُذِلَّ عَلَى (مسلم)

”حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پیر کے دن کے روزے
کی بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا وہ دن میرا میلاد ہے اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔“

ویسے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تعامل حیات یہی ہے کہ جس دن کو یوم عید
قرار دیتے تھے، اس دن روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے چنانچہ صحیحین کی روایت میں آیا ہے:
قَالَ عُمَرُ: إِنَّ هَذَا يَوْمَانِ كُنِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمًا
فَقَطَرُكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْآخِرُ يَوْمًا تَطَوُّتُ فِيهِ مِنْ تَسْبِيحِكُمْ (مسلم و بخاری)

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ دونوں عیدوں کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے روزے رکھنے کی مخالفت فرمائی تھی۔“

میلادی دوست عجیب گھپلہ کا شکار ہیں، عید میلاد کے ثبوت کے لیے حضرت قتادہؓ والی روایت
پیش کرتے ہیں کہ دیکھیے! حضورؐ نے اپنے یوم میلاد کی تقریب خود بتا دی ہے۔ مگر حال ان کا یہ ہے

کہ عید میلادِ پیر کے دن نہیں مناتے بلکہ ربیع الاول کی بارہ کو مناتے ہیں اور وہ کوئی دن ہو، جیسا کہ اب کے دن کے حساب سے منگل کے دن عید میلاد ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی خوشی میں صرف روزہ رکھنے کو کہا ہے جتنے منانے کو نہیں کہا تبکداس دن کو جتن یا عید میلاد منانے کے امکانات کو روزہ کی تلقین کر کے بالکل روک دیا ہے، کیونکہ حضور نے مشرکوں کے یوم عید کا توڑ روزہ بیان فرمایا ہے جیسا کہ حضرت ام سلمہ کی روایت میں ادھر گزرا ہے۔ اگر حضور کا یوم ولادت عید میلاد ہے تو عید میلاد کے لیے حضرت قتادہ والی حدیث سے استدلال غلط ہے، کیونکہ اس دن روزہ بتایا گیا ہے۔ اگر اس دن روزہ تسلیم کرتے ہو تو جب روزہ رکھ لیا تو وہ روزہ روز عید نہیں رہتا، کیونکہ آپ نے مشرکوں کے روزہ عید کو روزہ رکھ کر بیکار کیا تھا اور اسلام میں جن دو عیدوں کی نشاندہی آپ نے فرمائی تھی، ان دونوں عیدوں کے موقع پر آپ نے روزہ رکھنے کی ممانعت بھی کر دی تھی، کیونکہ روزہ یوم عید کے منافی ہے۔ اس لیے بریلوی دوستوں کو اس کا کوئی حل سوچنا چاہیے کہ آپ کا یوم پیدائش پیر کا دن ہے، لیکن آپ تقریب کے لیے کوئی اور دن بھی قبول کر لیتے ہیں۔ پھر حضور نے یوم ولادت کے لیے روزہ تشخیص فرمایا ہے، آپ اسے عید میلاد قرار دے کر روزہ کو ناجائز بنائے ہیں، اگر روزہ جائز ہے تو پھر عید میلاد غلط ہے۔ کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر آپ کا یوم ولادت عید میلاد ہوتا تو اس دن کے لیے روزہ کی سفارش نہ کرتے۔ اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عجمی عیدوں کے مقابلے میں فرمایا تھا کہ اللہ نے ان کے بدلے میں تمہیں دو عیدیں عنایت کی ہیں، عید قربان اور عید الفطر۔

مَنْ أَبَدَ لَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمًا لَأُضْحِيَّ وَيَوْمًا لَأُفْطِرَ رِوَاةُ ابْنِ دَاوُدَ وَ

التنسی و صححه العافظ

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں، تیسری کوئی نہیں، پھر یہ عید میلاد کہاں سے آگئی؟ اگر یہ بھی اسلامی عید ہے تو بتایا جائے کہ خود حضور اپنی تیسری عید میلاد سے بے خبر ہے یا تشریح کا جو اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اب بریلوی بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا ہے، اس لیے ایک تیسری عید میلاد کے اضافے کا بھی ان کو حق حاصل ہے؟

احباب توجہ فرمائیں: محدث کا شمار صفر الفطر ۱۳۹۸ھ مستقل تاریخین کی خدمت میں بذریعہ دی پی۔ پی ارسال کیا گیا تھا۔ جن حضرات کی وی۔ پی واپس آگئیں انھیں دفتر کی طرف سے یاد دہانی کے دوبارہ خطوط لکھے گئے لیکن بہت سے احباب کے جواب ابھی تک وصول نہیں ہوئے ہیں۔ براہ کرم تو فرمائیں (بیخبر)

تعاقب

ملاق ثلاثہ کی بابت ماہنامہ محدث (ماہ محرم ۱۳۹۰ھ) میں راقم الحروف کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں ہم نے صحت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت بھی ذکر کی تھی جس سے حضرت عمرؓ کا اپنے پہلے موقف سے رجوع ثابت ہوتا ہے، اس پر حضرت مولانا عبد الحمید ابو حمزہ (نیو سید آہم) نے تعاقب فرمایا ہے کہ:

”رجوع والی حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں راوی خالد بن یزید بن ابی مالک باپ بیٹا دونوں ضعیف ہیں، دونوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ لعین الحدیث ہیں، دوسرا یہ کہ یزید بن ابی مالک کی روایت جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقطع ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطریق اولیٰ منقطع ہوتی چاہیے۔ باقی رہا حضرت امام ابن القیم کا سکوت؟ سو وہ کوئی حجت نہیں ہے۔ (مختصراً)

الجواب

جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے، واقعی یہ روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف رواۃ پر مشتمل بھی لیکن یہ روایت ہمارے موقف کا مدار علیہ نہیں ہے اور نہ ہم نے اس کو اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے کی مسلم شریف والی روایت سے جو ایک احتمال ناشی تھا، اس کے صرف اسی امکانی پہلو کو اخذ کرنے کے لیے ہم نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ عدلانہ تصریح کا ہے کہ ایک ضعیف روایت احوال محتملات کے بیان کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔

وَإِسْنَادُهَا وَإِنْ كَانَ ضَعِيفًا إِلَّا أَنَّهُ يُصْلِحُ لِبَيَانِ الْإِحْتِمَالِ لَا تَرْفَعُ رَفِيفُ الْبَارِي شَرْح

صحيح بخاری باب البول قاتلها

مسلم کی ملاق ثلاثہ والی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ امر صرف تادیباً اور تعزیراً اختیار فرمایا تھا اور بہ دلی نخواستہ اختیار کیا تھا۔ روایت کے ان الفاظ پر غور فرمائیے۔
نَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ كَانَتْ كَلِمَةُ فِيهِ أَسَاءَةً
فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ (مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اسلوب بیان سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ اقدام بہ دل خواستہ کیا ہے اور اس لیے اس امر کا امکان موجود تھا کہ اصلاح حال کے بعد وہ اپنے پہلے موقف کی طرف رجوع فرمائیں جس کا رجوع عمرؓ والی روایت نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ جو بات تعزیراً اور تادیباً اختیار کی جاتی ہے وہ ہمیشہ وقتی ہی ہوتی ہے، اگر آپ یہ بات تسلیم نہیں کریں گے تو غاکم بدین آپ کو یہ الزام قبول کرنا پڑے گا کہ آپ حضرت عمرؓ پر یہ الزام عائد کر رہے ہیں کہ وہ عمداً رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت شدہ امر کا خلاف کرنے میں بیباک تھے، حالانکہ وہاں ایسی بات نہیں تھی۔ بہر حال ”رجوع عمرؓ“ والی روایت کے راوی ضعیف ضرور ہیں لیکن ایسی روایت سے ایک ثابت شدہ اور صحیح حدیث کے بعض پہلوؤں کی تشخیص اور تعین کے لیے اگر کوئی شخص استفادہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور یہی کچھ ہم نے کیا ہے۔ حضرت امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے صنیع سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی محض اسی امکانی پہلو کے سلسلے میں روایت سے استفادہ کیا ہے ورنہ اس تعدی کے ساتھ اس کا ذکر نہ فرماتے، ان کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

”فَقِيلَ، فَكَانَ أَهْلٌ مِنْ ذَلِكَ أَنْ يَتَمَعَ النَّاسُ مِنْ أَقْيَاعِ الثَّلَاثِ وَيَعْرِمَهُ عَلَيْهِمْ وَيُعَاقِبُ بِأَضْرَبٍ وَالْمَذْهَبُ مَنْ يَعْلَمُ بِشَلَايِقِ السُّعْدِ وَالْكَذِبِ يَتَوَقَّبُ عَلَيْهِ قِيلٌ: نَعَمْ! لَعَنَ اللَّهُ! قَدْ كَانَ يَكْفِيكَ ذَلِكَ، وَلِذَا لَكَ كَوَامٌ عَلَيْهِ فِي أَخْوِا يَأْمُهُ وَوَدَّ أَنْ كَانَ فَعْلُهُ“
(إغاثة اللہفات ۳۲۶)

فرض کیجیے! آپ کو علم کے اس موقف سے اختلاف ہے جو ایک ضعیف روایت کے سلسلے میں وہ رکھتے ہیں، تو بھی ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے کیونکہ ہم نے جو توجیہ بیان کی ہے، وہ صرف حضرت عمرؓ کو ایک الزام سے محفوظ رکھنے کے لیے بیان کی ہے ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ حضرت عمرؓ کا یہ ایک سیاسی نوعیت کا تادیبی فعل ہے، جو صحیح اور مرفوع حدیث کا رافع نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ تعزیری حد تک تو صحابہؓ نے بھی حضرت کے اس فعل کے خلاف مزاحمت نہیں کی، لیکن جہاں تک ان کے اپنے موقف کی بات ہے، وہاں انھوں نے واضح الفاظ میں بات بتا دی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں، ایک رجعی طلاق کا حکم رکھتی ہیں۔ جہاں صحابیوں مختلف ہوں وہاں کسی بھی صحابی کا قول کسی کے لیے حجت نہیں رہتا۔ اصول حدیث میں یہ سب باتیں بیان کی گئی ہیں۔

چونکہ اس روایت کے راوی خالد مختلف فیہ ہیں (فتح) بلکہ مجموعی لحاظ سے وہ شدید قہم کا ضعیف راوی ہے، اس لیے اگر کوئی صاحب ان کی اس روایت کو احداً احتمالات کی تشخیص کی حد تک بھی

گوارا نہ کرے تو اسے اس کا بھی حق پہنچتا ہے لیکن ہم اس کے بغیر بھی مطمئن ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام وقتی تھا کیونکہ تغزیری اور تادیبی تھا، جہاں یہ کیفیت ہو وہاں بالآخر ایسے اقدامات کو واپس لینا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ اسے اس کی "بے خبری" پر محمول کیا جائے گا جو یہاں مشکل ہے یا اسے حدیث کے خلاف ایک بیباکانہ جرأت قرار دیا جائے گا جو اور ناممکن بات ہے۔ بہر حال خالد والی روایت نے حضرت عمرؓ کے اس تغزیری اور تادیبی اقدام کے امکانی پہلو سے پردہ اٹھا لیا ہے اسے تخلیق نہیں کیا جو روایت کے بغیر بھی معلوم اور معروف توقع تھی۔ اس لیے اگر یہ روایت اس درجہ میں بھی آپ کو قبول نہیں تو نہ سہی، ہمیں بھی اس پر اصرار نہیں ہے، کیونکہ ہمارے موقف کی یہ اساس نہیں ہے بلکہ ایک ضمنی اور راہ چلتے استغاثہ والی بات ہے کیونکہ وہ بات اصولی طور پر پہلے ہی ثابت ہے کہ جو اقدام وقتی بنیادوں کا مہون منت ہوتا ہے اسے واپس لینا ہی ہوتا ہے، اس لیے توقع یہی ہے کہ انھوں نے واپس لے لیا ہو گا۔ اگر نہیں لیا جیسا کہ کچھ حضرات کا کہنا ہے تو اس پر ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ انھیں واپس لے ہی لینا چاہیے تھا۔ کیونکہ ان کا یہ اقدام رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کے تعامل سے مختلف ہے، خود ان کے ابتدائی تعامل کے بھی خلاف ہے۔ دَمَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا كَرِيْهُنَا مِنْ قَوْلِهِ وَيَتْرُكُ إِلَّا قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (عزیز مبینی)

تیسیر الباری ترجمہ و تشریح صحیح البخاری

(از علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ)

اردو زبان میں صحیح البخاری کی یہ سب سے بڑی شرح ہے، ہر حدیث کے مقابل مطلب خیر یا محاورہ ترجمہ میں مطلب کتاب کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ ترجمہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا اور حدیث کا مطلب خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی ہر حدیث کی شرح بھی معتبر شروع مثلاً فتح الباری، کرامانی، عینی اور قسطلانی وغیرہ سے مرتب کر کے لکھی گئی ہے۔ اور مذاہب مجتہدین بھی ہر مسئلہ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اعلیٰ مجلہ ریگزین سنہری طوائف دار، علاوہ ازیں عربی، اردو، ملکی، غیر ملکی دینی کتابیں خریدنے اور بیچنے کے لیے ہمیں یاد فرمائیں۔

میجر رحمانیہ دار الکتب۔ امین پور بازار۔ فیصل آباد

محفل میلاد

کتاب وسنت کی روشنی میں

ساتھ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ۔ سعودی عرب کے ایک متبحر عالم دین ہیں۔ دیگر اداروں کے علاوہ آپ ادارہ فتویٰ سازی کے رئیس عالم اور نگران اعلیٰ ہیں۔ آپ کے اکثر فتاویٰ عربی رسالوں اور اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ گزشتہ سال عربی کے ایک اخبار "عکاز" عدد نمبر ۳۵۶ بروز ہفتہ رات ۲۸/۴-۱۳۹۹ھ میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھنے کے بعد اترار کے روز عالم اسلام ایک مجلس منعقد کرے گا۔ اس سلسلہ میں ادارہ فتویٰ سازی کی جانب سے ایک بیان نشر کیا جائے گا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے سلسلہ عالم اسلام میں مجلس منعقد کرانے کے لیے ایک وقت معین کیا جائے۔ یہ خبر چڑھ کر آپ نے اس کے عدم جواز اور بدعت ہونے پر ایک مدلل اور مبسوط فتویٰ صادر کیا۔ آپ کا یہ فتویٰ اخبار العالم الاسلامی " عدد نمبر ۴۰، بروز سوموار ۲۲/۴/۱۳۹۷ھ کو شائع ہوا تھا۔ اب چونکہ محفل میلاد کی بدعت جاری ہے اور ۱۲ ربیع الاول کو حکومت کی سرپرستی میں دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس لیے اس فتویٰ کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے جو ہر مسلمان کے لیے بحوالہ تھانی اور اس کے رسول کی اطاعت کو ہر امر سے مقدم تصور کرنا ہے ہدایت اور رہنمائی کا باعث ہے۔ و نقدیہ یسونا القرآن للذکر فہل من مدکو۔

(سیف الرحمن الراعی رحمہ اللہ والفقرا)

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده - اما بعد - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے دن اجتماع کرنا یا کوئی دیگر ایسا کام کرنا منع ہے۔ اس لیے کہ دین و اسلام میں یہ ایک نئی بدعت ایجاد کی گئی ہے۔ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں بھی کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ حالانکہ یہ لوگ

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مبارک کو (بعد میں آنے والے) لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور آپ سے ان کی محبت بھی انتہائی درجہ کی تھی اور آپ کی پیروی کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ كَذَّابٌ" (مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ كَذَّابٌ) یعنی جو شخص ہماری شریعت میں المسکام ماری کرتا ہے جو شریعت میں نہیں ہے تو ایسا کام ناقابل قبول ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "عَلَيْكُمْ بِسُنَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ مِنْ بَعْدِي" (عَلَيْكُمْ بِسُنَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ مِنْ بَعْدِي) تَسْكُوبُوهَا وَعُضُّوا عَلَيْهَا يَا نَوَاجِدَ، فَإِنَّكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ يَدْعُوهُ كُلُّ بَدْعٍ ضَالٌّ لَمْ يَكُنْ مِنْ دِينِ اللَّهِ" (ابن ماجہ) یعنی میرے دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کا التزام کرو اور سختی سے سنت کے پابند رہو اور (دین میں) نئے نئے امور ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ (دین اسلام میں) نیا کام ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی کا باعث ہے۔

تذکرہ دونوں حدیثوں میں بدعت ایجاد کرنے اور اس پر عمل کرنے سے سختی سے روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (سورہ الحشر) (جو حکم تم کو رسول اکرم ارشاد فرمائیں اس پر عمل کرو اور جس حکم سے منع فرمائیں اس سے باز آ جاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ" (یعنی جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انھیں ڈرنا چاہیے کہ مبادا وہ فتنہ اور آزمائش میں مبتلا ہو جائیں یا دردناک عذاب انھیں گھیر لے۔

مزید برآں فرمایا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا" (احزاب) (تمہارے لیے اللہ کے رسول ایک بہترین نمونہ ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ (سے ملنے) اور آخرت کے دن (کے واقعہ ہونے) پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: "وَأَسْبَغُوهُنَّ الْأَذْكَوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" (التوبة) مہاجرین اور انصار

لہ ترغیب مجدد اول ۱۸۷ لہ مشکوٰۃ المصابیح جلد اول ۱۸۸ لیکن شکوہ میں من بعدی کے الفاظ ہیں۔

میں سے سب سے پہلے (ایمان لانے والے) اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے بانغات تیار کر رکھے ہیں جن میں (دودھ، شہد اور شربت کی) نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے بڑی کامیابی تو یہی ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔ ”الْيَوْمَ كُنْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَعْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمِي وَدَخَيْتُكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (العاقلہ) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین (اسلام) مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (قرآن پاک) کو بھی تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کا انتخاب کیا۔“

اس موضوع پر (قرآن پاک میں) کافی آیات مذکور ہیں۔ اس قسم کی مفضل میلاد منعقد کرانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دین کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچایا بلکہ نامکمل اور تشہ تکمیل چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کی امت کو تبلیغ کرنا تھی تاکہ وہ اس پر عمل کریں اس سے وہ قاصر رہے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ جو سب سے متاخرین ہیں، آئے تو انہوں نے شریعت الہی میں ایسی ایسی نئی باتیں ایجاد کیں جن کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت نہیں دی تھی بلکہ اپنی طرف سے من گھڑت بنائیں۔ ان کا گمان تھا کہ یہ امور (بدعات) قرب الہی کا ذریعہ ہیں۔ حالانکہ اس میں ایک عظیم خطرہ ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اعتراض وارد ہوتا ہے (کہ انہوں نے دین کو تشہ تکمیل چھوڑ دیا) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور اپنی نعمت (قرآن کریم) کو مکمل کر دیا۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور جنت میں جانے والے اور نار جہنم سے بچانے والے ہر عمل سے اپنی امت کو مطلع کیا۔ جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”مَا كُنْتُ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرٍ مَا يَلْعَنُ لَهُمْ وَيُبْذِلُ لَهُمْ شَرًّا مَا يَلْعَنُ لَهُمْ“ (مسلم) یعنی ہر نبی جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہو کر آیا اس کے ذمے یہ بات واجب تھی کہ اپنی امت کو اس بھلائی اور نیکی کی خبر دے جو ان کے حق میں وہ جانتا ہو اور انہیں ہر اس برائی سے ڈرائے جو وہ جانتا ہو۔“

اور یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل ہیں

اور سب سے آخر میں آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ آپ نے سب نبیوں سے زیادہ تبلیغی کام کیا۔ اور خیر خواہی کی ہے۔ اگر محفل میلاد منعقد کرنا کوئی دینی امور میں سے ہوتا جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے اس کے متعلق فرور کوئی حکم فرماتے یا اپنی مبارک زندگی میں خود یہ کام سرانجام دیتے۔ یا پھر آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسے کرتے۔ جب مذکورہ بالا قابلِ تکریم ہستیوں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا (اور نہ ہی کرنے کا حکم دیا) تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اسلامی امر نہیں ہے بلکہ ان بدعات میں سے ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ڈرا یا تنہا اور بچنے کی تاکید فرمائی تھی۔ جس طرح مذکورہ بالا دو حدیثوں میں گزر چکا ہے اسی طرح اس مضموم کی کئی اور حدیثیں مذکور ہیں جیسا کہ خطبہ جمعہ المیارک میں آپ کا ارشاد گرامی ہے: **أَمَّا بَعْدُ نَا خَيْرُ الْبَعْدِ نَبِیُّ كِتَابِ اللَّهِ وَخَيْرُ الْبَعْدِ نَبِیُّ هَدًی مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوْشَرُ الْأُمُورَ فَحَدَّثَنَا هَذَا وَكَلَّمَ بَدَنَةً فَلَا تَرْسَلُم** (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد سب سے بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور سب طریقوں سے افضل طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور سب سے برے کام (دین میں) نئے نئے امور ہیں اور ہر بدعت (دین میں) نیا کام) گمراہی ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی اس معاملہ میں کثرت سے وارد ہیں۔ علماء کی ایک جماعت محفل میلاد منعقد کرانے کو گناہ تصور کرتی ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتی ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے (اور ان کا یہ فیصلہ کتاب و سنت کی روشنی میں درست اور صحیح ہے) تاخرین میں سے کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس (محفل میلاد منعقد کرانے) کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ منکرات سے محفوظ ہو (یعنی اس میں کوئی گناہ کا ارتکاب نہ ہو) جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو سے کام لینا (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں صفات الہی کا عقیدہ رکھنا وغیرہ) غیر محرم مردوں اور عورتوں کا یکجا اکٹھے ہونا اور گانے بجانے اور لہو و لعب کے آلات استعمال کرنا وغیرہ جن باتوں کو شریعت نے منکرات میں شمار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے جس کے کرنے سے ثواب ہوتا ہے)

اب ایسی صورت میں جب کہ لوگوں کا آپس میں کسی شرعی معاملہ میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو جائے تو شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں اللہ کی کتاب کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو

فیصل اور حاکم ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "لَا يُلِيهَا السَّيِّئُ اٰمَنُوا اَطِيعُوا اللّٰهَ مَا طِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلَى اللّٰهِ وَارْجِعُوْا اِلَى الْوَسُوْلِ اِن كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ وَاليَوْمَ الْاٰخِرَ ذٰلِكَ خَيْرٌ قَّا حُنَّ تَاُوِيْلًاۙ اَلْمُنْسَاۤءُ اِلٰى اِيْمَانٍ وَّاُولَۤاِئِكَ هُمُ الَّذِيْنَ

اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور اپنے (مسلمان) حاکموں کی بھی اطاعت کرو۔ اگر کسی معاملہ میں تمھارا (اپنے حاکموں سے) اختلاف پیدا ہو جائے (تو ایسی صورت میں) اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اپنا نزاع کا معاملہ اللہ اور رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ تمھارے نزاع کو ختم کر دیں یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

نیز ایک مقام پر فرمایا۔ "وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ الرَّسُوْلِ" (یعنی جب تمھارا آپس میں کسی دینی امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اپنے اس نزاع کا اللہ کو حاکم بناؤ؟

چنانچہ ہم نے اس مسئلہ (مفصل میلاد منقہ کرانے) کو اللہ کی کتاب کی طرف فیصلہ کے لیے لوٹا دیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا فیصلہ یہ ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں ان امور میں جو آپ نے ارشاد فرمائے اور جن امور سے آپ نے منع فرمایا ہے ان سے باز آئیں۔ اور ہمیں خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس امت کے لیے دین کی تکمیل کر دی۔ اور یہ اختلاف (مجلس میلاد) ایسا کام نہیں جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہوں (تو اسی کا نتیجہ یہ ہوا) کہ یہ (مفصل میلاد) اس دین (اسلام) سے نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مکمل کر دیا ہے اور ہمیں رسول اکرم کی اتباع کا حکم فرمایا ہے۔ پھر ہم نے اس مسئلہ کو سنت رسول کی طرف لوٹا یا تو اس میں بھی اس کا جو نہ پایا۔ یعنی نہ تو آپ نے یہ کام خود کیا اور نہ ہی اس کا حکم فرمایا۔ پھر آپ کے صحابہ کرام نے بھی نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام (امور) دین سے نہیں بلکہ نئی ایجاد کردہ بدعات میں سے ہے اور یہود و نصاریٰ کی عیدوں کی طرح ان سے تشبہ ہے۔ اب جو شخص معمولی سی بصیرت رکھتا ہو اور حق و انصاف کا متلاشی ہو تو اس کے لیے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مفصل میلاد دین اسلام کا کوئی امر نہیں ہے بلکہ نئی ایجاد کردہ بدعات میں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ترک کرنے اور ان سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور ایک صاحب خرد شخص کو یہ لائق نہیں کہ وہ اس بات سے دھوکا کھا جائے کہ تمام حاکم میں لوگ اسے کثرت سے کرتے ہیں کیونکہ کثرت کو کثرت کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا بلکہ شرعی دلائل کی کسوٹی سے حق و باطل میں امتیاز کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کے متعلق فرمایا۔ "وَقَالُوْا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَن كَانَ هُوَۤا اَوْ نَصَارًاۙ اِنَّ فِيْهِمْ قُلًا هَآؤُلَآءِ بَرَّهَآ نَكُفُّوْا عَنْكُمْ اِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (البقرہ)

”اور انھوں (یہود اور نصاریٰ) نے کہا کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا (حالانکہ) یہ ان کی اپنی تمنائیں ہیں (اس دعویٰ کے متعلق ان کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا) آپ ان (یہود و نصاریٰ) کو کہہ دیجیے کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔“

نیز یہ بھی فرمایا **وَاتَّطَعَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ لِيُصَلِّوْكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانعام)** یعنی ”اگر آپ نے زمین میں اکثریت والے گروہ کی پیروی کی تو آپ کو اللہ کے راستے سے بٹھا دیں گے۔“
 پھر یہ محفل میلاد بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ اور کئی برائیوں کو جنم دیتی ہے جیسا کہ مرد اور عورتوں کا یکجا اکٹھے ہونا اور گانے بجانے کے آلات کا استعمال کرنا اور نشہ آدرا اور مخدرات اشیا کا استعمال کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہیں۔ مزید برآں اس میں ایسے ایسے کام کیے جاتے ہیں جو ہر امر شرک ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر اولیائے کرام کی شان میں حد سے تجاوز کیا جاتا ہے اور ان نے عائب مانگی جاتی ہیں اور مدد طلب کی جاتی ہے اور یہ عقیدہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ غیب دان ہیں اور اس جیسے دیگر امور جو کفر ہیں اکثر لوگ کرتے ہیں۔ جب محفل میلاد منعقد ہوتا ہے تو دیگر بزرگوں کے سرس کے فوق پر یہ لوگ کفر و شرک کے کام سے باز نہیں آتے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا **أَيُّكُمْ مَا تَعْلُو فِي الدِّينِ فَإِنَّمَا أَهْلُكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَعْلَوْ فِي الدِّينِ** (یعنی دین کے معاملہ میں غلو سے مت کام لو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو اور مبالغہ آمیزی نے ہلاک کر دیا۔“

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **لَا تُظَرُّوْا كَمَا أَطَرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ** **إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ** (میری شان میں مبالغہ مت کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی شان میں غلو اور مبالغہ سے کام لیا۔ میں تو ایک بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو)

یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ اکثر لوگ ایسے اجتماعات میں حاضری کو لازم قرار دیتے ہیں اور وہاں پر حاضر ہونے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کلام بدعت ہے اور اس بدعت کے متعلق جو علماء اعتراض کرتے ہیں اور ناجائز تصور کرتے ہیں تو اس کی ملافت کی خاطر انھیں طرح طرح کے من گھڑت جوابات دیے جاتے ہیں۔ اور جن امور کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے یعنی جمعو اور

جماعت میں شامل نہیں ہوتے۔ اس فرض کی ادائیگی کی خاطر معمولی سی تک و دو بھی نہیں کرتے اور نہ ہی جمعہ جماعت میں عدم شمولیت کو کوئی گناہ تصور کرتے ہیں۔ یہ ان کے ضعیف ایمان اور قلت بعیرت کی نشانی ہے۔ نیز گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے قلب کے کثرت سے زنگ آلود ہونے کی علامت ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس سے بچاؤ کا اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے سوال کرتے ہیں۔

بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں تشریف لائے ہیں۔ اس لیے تمام لوگ آپ کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور انتہائی جہالت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے پیشتر اپنے روضہ اطہر سے باہر تشریف نہیں لائیں گے اور نہ ہی کسی سے ملاقات کریں گے۔ اسی طرح آپ میلاد کی مجالس میں تشریف نہیں لائیں گے بلکہ آپ اپنی قبر مبارک میں آرام فرما ہیں اور آپ کا روج اطہر اللہ تعالیٰ کے پاس کرامت اور عزت کے مقام پر علین میں اعلیٰ مقام پر آرام فرما ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنوں میں بیان فرمایا ہے: **ثُمَّ أَنْتُمْ لَعْدُ ذَلِكَ كَيْفَ تَشَاءُونَ ثُمَّ أَنْتُمْ لَعْدُ ذَلِكَ كَيْفَ تَشَاءُونَ**۔ یعنی پھر تم اس (دنیاوی زندگی) کے بعد جاکو پھر قیامت کے روز (قبروں سے) اٹھائے جاؤ گے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَنْشُئُ عَنْهُ الْقَبْرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ تَابِعٍ وَأَوَّلُ مُتَّبِعٍ** (قیامت کے روز سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے (اللہ تعالیٰ) میری شفاعت کو منظور فرمائے گا۔

یہ آیت شریفہ اور حدیث شریف اور دیگر آیات اور احادیث نبوی جو اس مفہوم کی ہیں تمام اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر لوگ جو ملک عدم میں جا چکے ہیں سب قیامت کے روز اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ اس مسئلہ میں ہم علماء متفق ہیں کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان کی بدعات سے آگاہ ہو جائے اور جہل کے گروہ نئے جمجو بدعات اور خرافات جاری کی ہوئی ہیں ان سے بچے اور پرہیز کرے۔ یہ بدعات اور خرافات ایسی ہیں کہ ان کے متعلق اللہ عزوجل نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ **وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَى الْفُتُلَانِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ**۔

ہاں البتہ آپ پر صلوٰۃ اور سلام بھیجتے تو یہ سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ یہ آپ کے قرب کا سبب ہے اور نیک اعمال میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا الَّا حَوْلَ** اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجو۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ "مَنْ صَلَّى عَلَى وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا" (جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو ایسے شخص پر اس درود کے بدلے اللہ عزوجل دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔)

یہ درود سلام تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے اور نماز کے آخر میں اس کی تاکید ہے بلکہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ آخری شہد میں اس کا پڑھنا ضروری ہے (یعنی اس کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی) اور متعدد مقامات پر سنت مؤکدہ ہے۔ ان میں سے ایک موقع اذان ہونے کے بعد کا ہے۔ اسی طرح جب آپ کا نام نامی اور انعام گرامی کا ذکر آئے اور جمعہ اور جمعہ کی رات اس کا پڑھنا سنت ہے جیسا کہ کثرت سے حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے دین کے سمجھنے کی توفیق بخشے اور اس (دین) پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے اور تمام مسلمانوں پر احسان فرمائے کہ وہ سنت نبویؐ کی سختی سے پابندی کریں اور بدعت سے پرہیز کریں۔ اِنَّهُ جَوَادٌ كَرِيمٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ۔

رئیس عام ادارہ بحوث علمیہ اور ادارہ فتویٰ سازی اور ادارہ دعوت و ارشاد

عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز

حضرت العلامة حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی

کے علم و تحقیق کا گرانقدر مجموعہ

فَتَاوَى أَهْلِ حَدِيثٍ

تین جلدوں میں مکمل چھپ چکا ہے

قیمت مکمل مجلد ————— ۲۴ روپے

ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ۔ ڈی بلاک سٹلائٹ ٹاؤن، سرگودھا

اسلام کا قانون سرقہ

(قسط ۲)

پچھلی مرتبہ ہم نے قاضی صاحب کی خدمت میں چند ایک گزارشات پیش کی تھیں اور چند خدشات کی طرف اشارہ بھی کیا تھا لیکن جب قاضی صاحب کے مضمون کی دوسری قسط (جو سرقہ کے متعلق ترجمان القرآن شمارہ ۲ جلد ۸ میں ہے) سامنے آئی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یقیناً وہ خطرات منہ لارہے ہیں اور وہی مفادات و منکرات سر اٹھاتے نظر آتے ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا۔ مضمون پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوا کہ قاضی صاحب بھرالرائی یا درغنا رکاز ترجمہ فرما رہے ہیں ان کے پیش نظر بین الاقوامی طور پر تقریرات اسلام کا مجددیت کرنا نہیں۔ جب کہ ہم نے بڑے ادب سے یہ بات عرض کی تھی کہ اگر واقعی اسلام کی خدمت مقصود ہے تو پھر تقلید نام کے محدود و مجسوس ذہن کو داکرنا ہوگا۔ مطالعہ کو وسعت دینا ہوگی کہ فقہاء اربعہ ہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ کے افکار و رائے کی وزنی گردانی بھی کرنا ہوگی۔ لیکن کیا بھرالرائی، ہدایہ، درمختار، المبسوط اور کتاب الخراج لابی یوسف وغیرہ ہی مطلقاً بحث ہیں۔ یا اس خاردار دلدی کے سفر سے پہلے تمام کتب تفسیر، شروح کتب حدیث، لغت، کتب احکام اور مفتی لابن قدامہ، الفقہ علی المذہب الاربعہ، ہدایہ المجتہد، نیل الاوطار، المحلی لابن حزم، المجموع شرح المہذب، الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر البیہقی، الاحکام السلطانیہ للفرغ، احکام القرآن، احکام السلطانیہ للماوردی وغیرہ۔ غرضیکہ متعدد کتب اور بھی ہیں جن کا مطالعہ اس دقیق بحث پر قلم اٹھانے سے پہلے ضروری ہے۔

مضمون کے مالہ و مایہ پر سرسری نظر ڈالتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عالمگیر اور متغیر مسئلے پر لکھتے وقت قاضی موصوف کے سامنے بین الاقوامی قانون کی ترتیب کے بجائے صرف فقہ حنفی ہے۔ حالانکہ عالمگیر قانون کے تقاضوں اور معیار کے مطابق اس مسئلہ کا حل پیش کرنا چاہیے تھا کیونکہ حقیقت ہے کہ کوئی فقہ (بائنصوص فقہ حنفی) بھی دور جدید کا ساتھ نہیں دے سکتی بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ابن حزم کی ظاہریت اور خفیت وغیرہ کو محدثین کے طریق فکر کے آئینہ میں ڈھالا جائے اور یہی بات دور حاضر کی صحیح رہنمائی کر سکتی ہے۔

اس فقہ حنفی کو رائج فرما کر دیکھ لیجیے اگر پہلے معاشرے میں ۲۵ فی صد چور ہیں تو ایک تھوڑے ہی مصلحہ ۵، فی صد چور ہو جائیں گے اور لطف یہ کہ کوئی بھی مستحق حد نہ ہوگا۔ عجب فقہ اور عجیب حید سازی ہے کہ حرز کے پردہ میں چور تیار ہوتے ہیں اور اَذْرًا اَلْحَدُّ وَاَلْتَشْبَاهَاتُ کے بارے میں چوروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ کاش چور حضرات کم از کم فقہ کی کتاب ۳۲۷ ہی کا مطالعہ فرمالیں۔ کاش سابقہ حکومت اپنے آئین میں فقہ ۴۷۷ ہی رکھ لیتی تاکہ اسلام بھی آجاتا اور تمام کام بھی درست ہو جاتے۔ یہی نہیں بلکہ تجارت ہو، اکل و شرب کا معاملہ ہو، نکاح و طلاق کا مسئلہ ہو۔ غرضیکہ کوئی بحث اس قابل نہیں کہ اسے فقہ حنفی کی روشنی میں (بالخصوص) حل کیا جائے! شاید اسی وجہ سے (ہماری معلومات کے مطابق) مولانا ابوذر بخاری نے ایک مرتبہ مولانا چراغ صاحب جیسے دیگر علماء کو یہ کہا تھا کہ اگر آپ فقہ حنفی کو عام کرنا چاہتے ہیں تو خدا را عبادات کے علاوہ تمام مباحث پر حالات حاضرہ کے تحت نظر ثانی فرمایجیے۔ ممکن ہے یا لوگ اس وجہ سے یہ پالیسی اختیار کیے ہوئے ہیں کہ فقہ حنفی کی پیروی کی تلقین تو کرو لیکن اس کے محفوظات کو عام نہ کرو۔ تعجب ہے کہ مولانا مودودی صاحب جیسے زریک اور جدت پسند بھی دورِ حاضر کے مسائل اسی فقہ کی روشنی میں حل کرنا نظر آتا ہے جو کہ اس بات کا مصداق ہے ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہمارے پیش نظر کسی کی دلازاری نہیں البتہ اتنا ضرور کہیں گے کہ موجودہ حالات کی ترجمانی۔ اور مل۔ صرف اور صرف قرآن و حدیث اور اس کی بنیادوں پر استوار شدہ اجتماع ہی کر سکتا ہے۔ آمدم بفقہ سترہ مطلب :- اس مختصر سی تعہد کے بعد ہم قاضی موصوف کے مضمون پر طائرانہ نظر قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

قولہ :- دفعہ علما! کوئی ناطق، بھیر چوبی کوئے تو اس پر حد ہوگی۔ مخلص۔

اقول :- سترہ موجب حد میں یہ دونوں شرائط جہاں دلائل سے یتیم ہیں وہاں عقل سلیم بھی ان سے ابا کرتی ہے کیونکہ اگر ایک اندھا یا گونگا آدمی بنیث سترہ نصاب نام جمیع شروط اٹھالیتا ہے تو اس پر حد کیوں نہ ہوگی؟ کیا بھیر، بنیا اور ناطق کا یہی قصور ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے زبان کیوں دی؟ آنگھ کی بینائی کیوں بخش؟

چنانچہ کسی معتد علیہ صاحب نے شروط سترہ میں ان دونوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن رشد تعریف سترہ میں لکھتے ہیں۔

”فَاتِهِمْ الْعُقُوتَ عَلَى أَنْ مِنْ شَرْطِهِمْ أَنْ يَكُونَ مَكْلُفًا سَوَاءً كَانَ حُرًّا أَوْ عَبْدًا“۔ ذُكِّرَ أَنَّ شَرْطَ سَلَامَةِ الْإِسْلَامِ أَنْ يَكُونَ مَكْلُفًا سَوَاءً كَانَ حُرًّا أَوْ عَبْدًا“۔
 مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا الْخَرِيدَ بَدَأَ ابْنُ الْمُبْتَهِدِ (ص ۳۲)

اسی طرح علامہ فرائضی نے الاحکام السلطانیہ میں محض یہ شرط لکھی ہے: ”اِذَا سَرَتْهُ بَالِغٌ عَاتِلٌ“ علامہ ماوردی نے بھی یہی الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ”اِذَا سَرَتْهُ بَالِغٌ عَاتِلٌ“ احکام السلطانیہ (ص ۳۲) علامہ کاسانی حنفی واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

”فَأَهْلِيَّةٌ وَجِبَاقُ الْقَطْعِ هِيَ الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ“ (المبداء والمصانع ص ۲۲۸)

اب نہ معلوم قاضی صاحب نے ان دو شروط کا اضافہ کس نص صریح کی بنا پر فرمایا ہے اگر ان کی بنیاد کوئی نص ہے تو اس کے اظہار پر ہم شکوہوں گے۔ اگر محض قول امام وغیرہ ہی بنیاد ہے تو تائین فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ خدمتِ اسلام ہے؟ یہی تعزیراتِ اسلام ہیں؟
 قولہ: ”شرطاً ۱! کوٹ سے حاصل ہونے والی رقم کو نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا البتہ بٹوائے سے حاصل ہونے والی رقم کو نصاب میں شامل کیا جائے گا۔“

اقول: آخر کوٹ اور بٹوائے کا فرق یہ ہے کہ اور اگر اصطبل سے چرائی گئی رقم جو جب حد ہے تو کوٹ کی رقم کیوں نصاب میں شامل نہیں ہو سکتی؟
 قولہ: ”شرطاً ۲! مال بمقدار نصاب سترہ ایک ہی مرتبہ ایک ہی محفوظ جگہ سے باہر نکالا گیا ہو۔“

اقول: یعنی اگر ایک چور گھر سے مال کو (نصاب سترہ سے کم) پھوڑا پھوڑا نکالتا ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی۔ کیا وجہ جناب؟ اگر ایک ضعیف آدمی نو درہم (آپ کا مقررہ نصاب) کا مال اٹھا سکتا ہے اور اس نے دس چکر لگا کر نوے درہم کا مال چرائیا اس پر حد تو نہ ہو اور نو جوان نے اگر ایک ہی چکر میں دس درہم کا مال اٹھالیا اس پر حد جاری ہو جائے! کیا یہ سترہ کی حد ہوگی یا خدانے جو اسے قوت دی ہے اس کی حد ہوگی؟

قولہ: اگر نصاب سترہ کو ایک سے زیادہ آدمی چرائیں تو ان پر حد نہ ہوگی۔

اقول: کیوں جناب! کس نص صریح کی بنا پر؟ کیا یہ چوروں کی حوصلہ افزائی نہیں؟ اور جو چور اکیلا ہی چوری کرتا ہے وہ یہ نہ کہے گا۔ جو ضعیفی مرگ مغایات!

قولہ: درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری موجب حد نہیں۔

اقول: جناب قول امام کی تائید میں حدیث کی تعین و تشریح کو کیوں پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

قولہ: کافر ذمی پر بھی حد نہ ہوگی۔

اقول :- ثانیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (کافر ذمی) صدکیوں نہیں؟ مہمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعوتِ غور و فکر!

قولہ :- اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے والے پر حد نہیں۔

اقول :- کیا اجازت چوری کے لیے لی یا دی جاتی ہے؟ جب کہ یہ بات تشریح و کی صورت و احوال کے بھی متافی ہے۔ تو ان دونوں میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

قولہ :- مغرب اور عشا کا وقت بھی دن میں شامل ہو گا کہ نہ کہ اس وقت تک لوگ ابھی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔
اقول :- کیا عورتیں مغرب اور عشا کی نماز مسجد میں ادا کر سکتی ہیں یا نہیں؟ یہی فرماتے ہیں علماء احناف بیچ اس مسئلہ کے؟

قولہ :- اگر چوروں میں کوئی غیر مکلف یا قابض مال کا قریبی رشتہ دار ہو تو ان چوروں پر حد نہ ہوگی۔
اقول :- چوری ہمیشہ افراد متوجہ ہوں۔ "اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ"

قولہ :- ان سورتوں میں کوئی حد نہیں۔ ۱۔ چور گھر میں نقب لگا کر گس گیا پھر اس نے اندر سے مال دوسرے چور کو کپڑا یا جو باہر کھڑا تھا۔ ۲۔ سارق کے مکان کے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے سامان پہلے جائے نقب پر رکھا پھر خود باہر نکلا اور باہر نکل کر سامان جائے نقب سے لے گیا۔ وغیرہ!

اقول :- چور حضرات کے لیے نادر موقعہ آج ہی آئیے اور رات ہی رات میں کروڑ پتی بن کر اپنا خواہ شرمندہ تعبیر کیجیے۔ داخلہ محدود ہے۔ طعام و قیام بذریعہ کمپنی ہوگا۔ ناخدا و ایادلی البصا!
فوری رابطہ کے لیے ذیلی فون نمبرز ۲۵۲، ۲۱۴، مرکزی دفتر کا فون ۱۱۔

اس مختصر سی طاثرانہ نظر کے بعد ہم ان دومر کزی مسائل کی طرف آتے ہیں جن پر تقریباً ان تمام تقریبات کا دار و مدار ہے۔

نصاب سترہ

نصاب سترہ کے ضمن میں موصوف نے کہا ہے کہ دس درہم ہی صحیح ہے کیونکہ اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ دس درہم کی مالیت پر حد سترہ جاری ہوتی ہے اور ادر و الحمد و کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دس درہم نصاب مقرر کیا جائے۔

ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ جناب اگر مفض اتفاق ہی پیش نظر ہے تو پھر معلوم ہونا چاہیے کہ نصاب سترہ کے متعلق میں مختلف اقوال ہیں جو تفصیل و کثیر سے لے کر چالیس درہم

اور دس دینار تک ہیں (ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۱۰۶) وغیرہ) لہذا متفق قول چالیس ہونا کہ دس درہم والا اور دوا الحدود کے قریب چالیس درہم ہیں نہ کہ دس درہم۔ نیز اور دوا الحدود کا علی الاطلاق وہ مفہوم نہیں جو موصوف لیتے ہیں جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکام کے پاس مقدمہ آنے سے پہلے صلح وغیرہ کی صورت نکال لی جائے یا اس کے اقرار وغیرہ میں تحقیق و تحقیق کر لی جائے (وغیرہ) جیسا کہ نبی علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہے اور اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جید سازی کے ساتھ احکام الہیہ میں یکجہ یا ترمیم پیدا کرنا ہے۔ درحقیقت حنفی فقہاء نے اس اختلاف کا فائدہ سارق کو پہنچایا ہے کہ چوری کا نصاب کم از کم دس درہم مقرر کر دیا۔ جب کہ وہی نصاب ہونا چاہیے تھا جو نبی علیہ السلام سے بسند صحیح مروی ہے کیونکہ اتفاق یا اور دوا الحدود کوئی کوئی ایسا داعیہ یا لائحہ نہیں ہے جو نبی علیہ السلام کے بعد پیش آیا ہو۔ یقیناً آپ محسن انسانیت ہیں، رحمۃ اللعالمین اور رؤف رحیم ہیں اور اور دوا الحدود کے مفہوم اور تقاضے کو ہم سے زیادہ سمجھتے اور جانتے تھے۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دس درہم موجودہ کرنسی کے تقریباً صرف ۶۰ روپے اور عرب کرنسی کے مطابق ۲۵ ریال بنتے ہیں تو کیا یہ رقم اور دوا الحدود کے تقاضہ کو رفتار ماننے کے تحت پورا کرتی ہے۔

مذہب

نصاب سرحد کے متعلق ہا ہر یہ، حسن بصری، خوارج اور متکلمین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مال خواہ کثیر ہو یا قلیل وہ موجب حد ہے۔ علامہ ابن رشد رقمطراز ہیں۔
 "إِلَّا مَا رَوَى عَنْ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ أَلْقَطَعُ فِي غَيْبِلِ الْمُسْرُوفِ وَكَثِيرٍ...
 وَبِهِ قَالَتِ الْخَوَارِجُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الْمُتَكَلِّمِينَ (بدایت ۲۲۳)
 لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک چور کے ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹے جاتے جب تک مال بقدر انصاف معین نہ ہو۔

اب مال سرحد کے نصاب کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ اس اختلاف میں بظاہر دو بڑے فرق ہیں پہلا گروہ علمائے حجاز کا ہے جس میں امام مالک اور امام شافعی وغیرہ ہیں ان کے نزدیک تیس درہم (چاندی کا سکہ) یا ربع دینار (سونے کا سکہ) ہے۔ فقہاء کے حجاز جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ربع دینار سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

- ۲۔ آپ ہی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا مگر ڈھال کی قیمت پر۔
 ۳۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے ایک ڈھال کے بدلے ہاتھ کاٹا اور ڈھال کی قیمت تین درہم تھی۔

دوسرا اگر وہ فقہائے عراق کا ہے ان علماء کے نزدیک نصاب سترہ دس درہم ہے۔ البتہ ان کے نزدیک بھی یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ڈھال پر ہاتھ کاٹا گیا اور اسی کا حکم ہوا لیکن ان کے نزدیک ڈھال کی قیمت تین نہیں بلکہ دس درہم ہے! جو عمر بن شعیب کی روایت سے معلوم ہوتی ہے لیکن عمر بن شعیب کی روایت نصفہ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ اس میں حجاج بن اریطہ ضعیف اور مدلس ہیں۔ اسی طرح ایک روایت ابن عباس سے ہے وہ بھی نہایت مضطرب ہے (فلیراجع التفصیل فتح الباری وغیرہا) غرض کہ یہ روایات بھی دس درہم کے متعلق ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کو حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کی روایات کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔ چنانچہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ بات تریس درہم والی اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ان کے الفاظ ہیں۔ وَهَذَا السَّيِّئُ قَوْلُهُ هُوَ كَلَامُ مَنْ لَوْلَا حَدِيثُ عَائِشَةَ وَهُوَ الَّذِي اعْتَمَدَ الشَّافِعِيُّ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَجَعَلَ الْأَصْلَ هُوَ رُبْعُ دِينَارٍ بِدَايَةِ الْمُجْتَهِدِ (ص ۲۴)

حافظ ابن حزم نے یقین کے دلائل پر بحث فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

دَا مَا حَدِيثُ عَشْرَةِ دِينَارِهِمْ أَوِ الدِّينَارِ فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ أَصْلًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُجْزَأَ السَّوِيَّةُ فِيهِ عَلَى أَحَدٍ ائِمَّانِهِمْ مَوْضُوعًا لِذِكْرِ عَشْرَةِ دِينَارِهِمْ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يُصَحُّ عَنْهُ أَيْضًا مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَبَّاسٍ وَهُوَ قَوْلُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَإِنَّ كَذَلِكَ وَهُوَ عَنْهُمْ بِصَحِيحٍ الْأَحَدِيَّتِ مَوْضُوعًا مَكْنُودًا لَا يُدْرَى مَنْ رَوَاهُ مِنْ طَرِيقِ ابْنِ مَسْعُودٍ مُسْنَدُ الْأَفْطَحِ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ أَوْ عَشْرَةِ دِينَارِهِمْ وَلَيْسَ فِيهِ مَعَ عَلَيْهِ ذِكْرُ ائِمَّةٍ أَصْلًا (معلی لابن حزم ص ۲۵)

اسی طرح مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو ذکر کرنے کے بعد علامہ شوکانی رقم طراز ہیں:-

وَقَدْ ذَهَبَ إِلَى مَا يَقْتَضِيهِ أَحَادِيثُ الْبَابِ مِنْ ثُبُوتِ الْقَطْعِ فِي ثَلَاثَةِ دِينَارٍ أَوْ رُبْعِ دِينَارٍ الْجُمْهُورُ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وَمِنْهُمْ الْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ زَيْلِ الْأَوَّلِ (ص ۱۲)

تصریحات بالاسے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح اور متفق علیہ نصاب سترہ تین درہم یا ربع دینار رہا ہے علامہ قزلباشی نے اس بات کو تفصیل سے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

فَلَا تَقْطَعُ يَدَ السَّارِقِ إِلَّا بِرُبْعِ دِينَارٍ أَوْ بِمَا قِيمَتُهُ رُبْعُ دِينَارٍ وَهَذَا أَقْوَلُ عَمْرٍو وَعُثْمَانُ بْنُ
عُثْمَانَ وَعَلِيُّ بْنُ رِزْقٍ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَبِهِ نَالَ عَمْرٍو عَبْدُ الْعَزِيزِ وَالْكَثِيبُ وَالشَّافِعِيُّ وَابْنُ كَثِيرٍ
(تفسیر قرطبی ج ۱)

یاد رہے ربع دینار اور تین درہم مساوی ہیں۔ چنانچہ امام مالک سے ہے کہ قطع الید فی ربع
دینار اور فی ثلاثہ درہم (قرطبی ج ۱)

اور علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں۔

وَقَدْ كَانَتْ قِيمَتُهُ الدِّينَارُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَى عَشْرَ دَهْمًا
فَثَلَاثَةُ دَهْمٍ يَكُونُ رُبْعُ دِينَارٍ (المبسوط ج ۱)

غریبہ لغاب سرتفکی تعیین میں صحیح بات جو دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ربع
دینار یا تین درہم — چنانچہ اس بحث کہ ہم علامہ فرانسس اس قول پر ختم کرتے ہیں جو یقیناً اس بحث میں
ایک نفیس قول کی حیثیت رکھتا ہے۔

علامہ موصوف رقم طراز ہیں۔

وَالْأَصَابُ الَّذِي يَقْطَعُ فِيهِ مُقَدَّرٌ بِأَحَدِ شَيْئَيْنِ رُبْعُ دِينَارٍ فَصَاعِدًا مِنْ غَائِبِ الدَّنَانِيَرِ
الْكَيْدِ أَوْ ثَلَاثَةِ دَهْمٍ مِنْ غَائِبِ الدَّلَاهِمِ أَلَيْبِدَةٍ أَوْ ثَمَنَةُ ثَلَاثَةِ دَهْمٍ مِنْ جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ
(الاحکام السلطانیہ ص ۵۷)

حرمہ

اس بحث کا دوسرا اہم مسئلہ حرمہ ہے! حرمہ کے متعلق اصل اختلاف یہ ہے کہ کیا حرمہ کا اعتبار تعریف
سترہ میں ہوتا ہے یا نہیں؟ اس چیز کو معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس تین طریقے ہیں۔ شرع، لغت اور فہم
شرع

قرآن و حدیث میں سترہ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے لیکن کسی جگہ بھی حرمہ کی قید کا مفہوم ادا
نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اس لفظ کو ایک مقام پر یوں استعمال کیا گیا ہے کہ
علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں۔

سَمِي سَبْعًا مَعًا عَلَى أَحَدِ السُّبُوحِ عَلَى وَجْهِ الِاسْتِخْفَارِ اسْتِخْفَارًا لِمَا لَمْ يَلِدْ أَلَمْ يَلِدْ (۳۲۱۳)
یعنی حنفی طریقہ سے کسی چیز کو اخذ کرنا سترہ کہلا تا ہے۔ اسی بنا پر السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ قُطْعًا يَدَيَا كَيْفًا
کو بغیر اس کے اطلاق پر محمول کرتے ہوئے حرمہ کے تعریف سترہ میں شامل ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

لغت

لغت کے اعتبار سے بھی اس شرعی معنی کی تائید ہوتی ہے چنانچہ علامہ زبیدی ابن عفر سے نقل کرتے ہیں:
 السَّارِقُ عِنْدَ الْعَرَبِ مَنْ جَاءَ مُسْتَتَرًا إِلَى الْخُزْنِ فَأَخَذَ مَا لَا يَحِلُّ لَهُ (تاج العروس ص)
 اسی بات کو صاحب لسان العرب نے بھی نقل کیا ہے اور صاحب قاموس کے بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں
 کہ ہر اس شخص کو سارق کہیں گے جو خفیہ طریقے سے کسی کے مال کو حرز سے اٹھانے کے لیے اُسے جبکہ حرز کہتے ہیں۔
 الْخُزْنُ الْمَوْضِعُ الْعَصِيّ لِعَيْنِ مَحْفُوظٍ بَلَدٌ۔

اسی معنی پر بنیاد رکھتے ہوئے تمام اصحاب فقہ و تفسیر نے سرقہ کی یہی تعریف کی ہے۔ مثلاً۔

- ۱۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں۔ السَّرِقَةُ لَفْظٌ أَخَذَ مَالُ الْغَيْرِ عَلَى وَجْهِ الْخَفِيَّةِ (مبسوط ج ۴)
 - ۲۔ در مختار میں ہے۔ هِيَ لَفْظٌ أَخَذَ الشَّيْءُ مِنَ الْغَيْرِ خَفِيَّةً (ج ۴)
 - ۳۔ ابن رشد فرماتے ہیں۔ فَهِيَ أَخَذَ مَالِ الْغَيْرِ مُسْتَتَرًا مِنْ غَيْرَاتٍ يُدْرِكُنَّ عَلَيْهِ (بداية المجتهد ج ۲۲)
- مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ حرز تعریف سرقہ میں شامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کاسانی
 حنفی نے رکن سرقہ ایک ہی بتایا ہے وہ فرماتے ہیں۔ أَمَّا رُكْنُ السَّرِقَةِ فَهِيَ الْأَخْذُ عَلَى سَبِيلِ
 الْإِسْتِخْفَاءِ (البدائع ج ۲۲۲)

چنانچہ حرز کی کوئی تعیین و تقید بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ ہر چیز کا حرز اس کی نوعیت و حیثیت کے
 مطابق ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔ فَإِذَا اخْرَجَهَا مَا يَكُونُ فَقَدْ اجْتَمَعَ فِيهَا الصَّدْرُ وَالْخُزْنُ
 الَّذِي هُوَ مَأْنَى الْإِمْكَانِ لِلْإِنْسَانِ (قرطبی ج ۴)

دوسری جگہ علامہ موصوف اسی معروف حرز کے متعلق فرماتے ہیں۔ الْخُزْنُ مَا لَصِقَ عَادَةً لِحِفْظِ أَمْوَالِ
 الْإِنْسَانِ وَهُوَ يَخْتَلِفُ فِي كُلِّ شَيْءٍ بِحَسَبِ حَالِهِ (ایضاً ج ۴)

علامہ ابن رشد کی عبارت کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔
 وَالْأَشْيَاءُ إِذَا قِيلَ فِي حَدِّ الْخُزْنِ أَنَّهُ مَا تَأْتِي أَنْ تُحْفَظَ بِهِ الْأَمْوَالُ كُنِيَ يُعْرَفُ أَخْذُهَا شَرْعًا
 الْإِغْلَاقِ وَالْخَطَأُ نَزْدَ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ (بداية ج ۳۲)

یہی نہیں بلکہ آپ نے امام مالک سے اس کی تفصیل یوں نقل فرمائی ہے۔
 وَالْخُزْنُ عِنْدَ مَا يَلِكُ بِالْجُمْلَةِ هُوَ كُلُّ شَيْءٍ جَرَتْ الْعَادَةُ بِحِفْظِ ذَلِكَ الشَّيْءِ الْمَسْرُوقِ
 فِيهِ فَصَحَّ الْإِطْلَاقُ وَابْتِغَاءُ عَزَا وَكَذَلِكَ الْأَوْعِيَّةُ وَمَا عَلَى الْإِنْسَانِ مِنَ الْإِبْسَاسِ
 فَإِنَّ الْإِنْسَانَ حَرَزَ كُلِّ مَا عَلَيْهِ أَوْ هُوَ عِنْدَهُ الْخُزْنُ (ایضاً ج ۳۲)

غریبکہ ۴۸ کے اعتبار سے بھی تحقق ستر کے لیے حرز کی قید ضروری نہیں بلکہ مال کا محفوظ کرنا بھی اسے محدود کرنا ہوتا ہے جیسا کہ علامہ کا سانی ۱۲۱ اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں کہ۔
 قَالَ اخَذُ مِنْ غَيْرِ حَرْزٍ لَا يَخْتِجُ إِلَى الْإِسْتِحْقَاقِ تَحَقُّقُ رُكْنِ السَّرَقَةِ (البدائع ۲۲۲)
 یعنی حرز تحقق ستر میں اصل نہیں۔ اور نہ ہی اس کی تعیین و تقیید ہو سکتا ہے شاید اسی لیے انھوں نے حرز کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ ۱۔ حرز بنفہ۔ ۲۔ حرز بغیرہ۔

یعنی ایک حرز وہ ہے جو خود بخود حرز کے حکم میں ہے جیسے گھر اور صندوق وغیرہ اور ایسا ایسا حرز ہے جو بنفہ حرز تو نہیں البتہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے حرز کے حکم میں ہے مثلاً میدان جہاں سامان کے پاس محافظ ہو۔

حافظ ابن حزم کا مدعا بھی دراصل یہی ہے کہ حرز کو تعریف ستر میں بالکل شامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر چیز حرز ہوتی ہے۔ اس کے حرز کو متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہر چیز کی نوعیت، حیثیت اور حالات کے تحت مفہوم ہوگا۔ وہ حرز کو اس وجہ سے بھی شامل نہیں فرماتے کہ حرز کوئی ایسی چیز نہیں جو ستر کے تحقق یا عدم تحقق کے لیے ضروری ہو بلکہ حالات کے تقاضے کے تحت حرز تبدیل ہوتے رہتے ہیں جس بنا پر حرز کا تعین ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی موصوف کو اس موضوع پر غلطی لگی کہ انھوں نے بڑے کو تو مظنہ رقم سمجھ کر حرز کا حکم لگا دیا لیکن کوٹ کو اس سے خارج کر دیا حالانکہ فی زمانہ بڑے کی نسبت کوٹ زیادہ مظنہ رقم ہے۔ یہی حال حرز کے تعین کا ہے۔ — حافظ ابن حزم نے انہی تکلفات سے بچتے ہوئے حرز اور علام حرز کو براہِ قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

وَقَالَ طَائِفَةٌ عَلَيْهِمُ انْقَطَعَ سَوَاءٌ مِنْ جَوْرِ سَوْفٍ أَوْ مِنْ غَيْرِ حَرْزٍ..... قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ وَفِيهِ لِقَوْلِ ابْنِ سُلَيْمَانَ وَجَمِيعِ أَصْحَابِنَا رَمَحَى ۲۲۲)

حافظ ابن حزم نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں آیت ستر کی تعلیم کے علاوہ بہت سے آثار بھی نقل کیے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی تاہم ان تمام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحقق ستر میں حرز دخل نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ستر کی تعریف سے حرز کی کوہِ ہر شرکت کا انکار کیے بغیر ان مفاسد سے محفوظ رہنا مشکل ہے جو اس کو تسلیم کرنے سے پیش آتے ہیں اور جن سے لوگوں کے اموال کی حفاظت سے سارن کی۔ اور دوا محدود کے تحت ضرورت سے زیادہ حفاظت ہو جاتی ہے۔

تفریعات

حرز کا مشد تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس کے ضمن میں دو اہم مسئلے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

وَيُخْرِجُهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَالْمَسْجِدَ لَا يَخْرُجُ فِيهِ وَالْأَعْتَابُ بَاتٍ يُكْفِنُنَا عَنْ الشَّرِّ لَعَنَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَالْيَهُودَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا فِي الْحُجَّيْ — كَرَّمَا فِي الْقَبْلِ الْمُنْقُولِ فَأَمَّا لَمْ
يُفْعَلِ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ وَلَا رَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَرْطَا الْحُرَّ بِمَا لَا تَشْكُ فِي ذَلِكَ فَاسْتَرْطَا
الْحُرَّ فِيهَا بِالْحُلِّ يَتَقَبَّلُ لَا تَشْكُ فِيهِ دُشْرَعُ مَا نَسَمُ يَأْتِي بِهِ اللَّهُ رَحْمَةً ۝ ۳۱

اس کے بعد حافظ موصوف نے فرقہ ثانی کے ان دلائل کو مفصل طور پر بیان کیا ہے جو اقوال صحابہ یا تابعین
پر متصل ہیں ان پر فرداً فرداً بحث کرنے کے بعد مجموعی طور پر ان کے متعلق آپ یوں رقمطراز ہیں۔
وَأَمَّا قَوْلُ الْمُصَنِّعِ بِرَفْعِهِ أَوْ مُضْعَعِهِ أَلَمْ نَسْمُ يَأْتِ قَطْعُ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ اسْتَرْطَا الْحُرَّ مُسْلًا
وَأَمَّا جَاءَ عَنْ بَعْضِهِمْ حَقًّا يُخْرِجُ عَنِ الْمَسْجِدِ بَعْضُهُمْ مِنَ الْمَبْنِيِّ دَلِيلٌ هَذَا دَلِيلٌ
عَلَى مَا أَدْعُوهُ مِنَ الْحُرِّ زَيْعِ الْخِلَافِ الَّذِي ذَكَرْنَا عَنْ عَائِشَةَ وَأَمَّا السُّبُورُ فِي ذَلِكَ فَالْحُجَّيْ أَنْ
تَوَلَّى قَوْلَ قَدْ جَاءَ بِهِ الْقُرْآنُ وَالْمَسْجِدُ الشَّابَّةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْنَا
أُخْرَى طَرَفِ قَبْلِهِ خَالَفَ كُلَّ طَرَفٍ سِوَا جَمَاعَةِ نَقْلُ كَيْفَ مَا تَأْتِيهِ كَرَّمَا جَمْعُهُمْ دَلِيلٌ عَلَى الْقَطْعِ لَا

يَكُونُ إِلَّا عَنِ مَنْ أَدْعُوهُ مِنْ جَمْعِهِمْ يَجِبُ نَيْلُ الْقَطْعِ (رقطبی ج ۱) اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔
وَأَمَّا الْجَمَاعَةُ فَإِنَّهَا خَلَّاتُ بَعْضٍ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَّةِ كُلِّهَا فِي أَلْفِ السُّورَةِ هِيَ الْأَخْفَاءُ بِأَحَدٍ
الشَّيْءِ لَيْسَ لَهُ مَوَاتٍ السَّارِقُ هُوَ الْمُخْتَفِ بِأَحَدٍ مَا لَيْسَ لَهُ وَأَلْفُ الْمَذْخَلِ لِلْحُرِّ فِيهَا أَهْلًا كَالْإِسْمِ
فَمَنْ أَهْلُهُمْ فِي ذَلِكَ اسْتَرْطَا الْحُرَّ فَقَدْ خَالَفَ الْجَمَاعَةَ عَلَى مَعْنَى هَذِهِ النُّقْطَةِ فِي الْفَتْوَى وَادْعَى
فِي الشَّرْحِ مَا لَا يَسْتَلِ لَهْ وَجُوهًا وَلَا دَلِيلًا عَلَى وَجْهِهِ ۝ ۳۲

غریب انھوں نے ہر طرح سے فرقہ ثانی کا دفاع کیا ہے اور ان روایات پر تفصیل نقد کیا ہے جن کو حوزہ
کا اعتبار کرنے والے پیش کرتے ہیں ان میں ایک روایت عمر بن شعیب کے واسطے سے ہے کہ سُبُلُ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَيْفِ تَقْلَعُ أَيْدِيَهُمْ لَأَنْتَقَطَ الْمَيْدُ فِي تَبْرِ مَعْلَقٍ وَأَوْ جَمْعُهُمْ الْجَرِينُ
كُنْتُ الْجَبْنَ وَلَا تَقْلَعُ فِي حَرِّ كَيْسَتَا الْجَبْلِ فَإِذَا أَوَّاهُ الْمَرْحُ قَطْعُهُ فِي ثَمَنِ الْجَبَنِ
ایسی ہی ایک دوسری روایت پر اصول نقد کرنے کے بعد الزامی طور پر آپ فرماتے ہیں۔

وَأَنَّ فِيهِ أَنْ مَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنَ التَّحْرِ كَمَنْ فِيهِ عَزَامَةٌ تَشْلِيَةٌ وَهُمْ لَا يَقُولُونَ بِهَا وَأَنَّ
كُلُّ ذَلِكَ إِنْ أَوَّاهُ الْجَرِينُ فَلَمْ يَبْلُغْ كَمَنْ الْجَبَنِ فِيهِ أَيْضًا عَزَامَةٌ تَشْلِيَةٌ وَهُمْ لَا يَقُولُونَ بِهَا
أَيْضًا وَفِيهِ أَيْضًا أَنْ حَرِّ كَيْسَتَا الْجَبْلِ عَزَامَةٌ تَشْلِيَةٌ وَأَنَّ فِيهَا عَزَامَةٌ تَشْلِيَةٌ وَأَنَّ فِيهَا أَنْ أَوَّاهُ
الْمَرْحُ فَلَمْ يَبْلُغْ كَمَنْ الْجَبَنِ عَزَامَةٌ تَشْلِيَةٌ فَهُمْ قَدْ خَالَفُوا هَذَا الْغَبَرَ الَّذِي اخْتَجَعُوا فِيهِ الْبَعْثُ

مَعَاذِ اللَّهِ لَا يَكْفِيكَ لَيْسْتَ بِمَنْ دُرِّعَ يَدِي أَيْ كَلَامَهُ مُحْسُوبٌ عَلَيْهِ وَأَنَّهُ مُعَاذٌ بِهِ
يُخَافُ لِقَاءَ اللَّهِ تَعَالَى (ایضاً ص ۳۲)

اس کے علاوہ حقیقتاً دیکھا جائے تو یہ روایات اس وجہ سے بھی قابل استلال نہیں کہ یہ اس وقت
ہے جب کہ آدمی مجبور ہو ورنہ آپ نے فرمایا کہ جھولی بھر کر نہ لے جائے۔ پھر اگر وہ نصاب سے کم ہے تو اس پر
حد کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر نصاب کو پہنچ جائے تو پھر حد کا ذکر ان مذکورہ احادیث سے بھی ثابت ہے تو
پھر یہ سترہ ہی منقول ہو گا!

عقلاً: اسی طرح ابن عمر کے قیاس علی الزنا پر جو بنیاد رکھی جاتی ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ زنا
کے متعلق میں محض تلذذ کافی نہیں بلکہ زنا اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ مذکر کا خشف مؤنث کے قبل یا درمیں
غائب ہو جائے نہ کہ محض اختلاط سے۔ جیسا کہ زنا کی تعریف سے ظاہر ہے کہ۔

الزَّانَا هُوَ تَغْيِيبُ الْبَالِغِ الْمُعَاتِلِ حَشْفَةً ذَكَرَهُ فِي أَحَدِ الْفَوَجَيْنِ مِنْ قُبُلٍ أَوْ ذُبُرٍ (الاحکام للامامی ص ۲۷۳)
لہذا جب ابن عمر کا اجتہاد درست نہ تھا تو اس پر رکھی گئی بنیاد کیسے درست ہو سکتی ہے؟
لیکن قطع نظر اس سے دیکھا جائے تو ابن عمر کا قیاس اپنی جگہ درست ہے لیکن اس کو حوز پر دلیل
بنانا قطعاً درست نہیں کیونکہ جس شخص کے متعلق ابن عمر کا فتویٰ ہے اس پر ساری کا اطلاق ہی صحیح نہیں۔
فتا بدو تفکر۔

تفویع علا: یعنی ایک گھر سے اگر متعدد چور مال سترہ بقدر نصاب چوری کر لیں تو کیا ان پر حد ہوگی یا نہیں؟
اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ ایسے لوگوں پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ
ہر ایک پر حد اس وقت ہوگی جبکہ بقدر نصاب مال ہر ایک کے حصہ میں آتا ہو لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ
اگر مال مروق تعاون کا محتاج ہو تو تمام پر حد ہوگی ورنہ نہیں۔ البتہ امام احمدؒ دونوں صورتوں میں تمام پر حد
کے قائل ہیں چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

الْحَنَابِلَةُ قَالُوا يَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ تَقْطَعَ جَمِيعًا سَوَاءً أَكَاتِ الْمُرُوقُ مِنَ الْأَشْيَاءِ الثَّقِيلَةِ
الَّتِي تَحْتَاجُ إِلَى مُعَاوَنَةٍ أَمْ لَا سَوَاءً جَسَمُوا عَلَى إِخْرَاجِهِ مِنَ الْبُحْرَيْنِ أَوْ أَنْفَعَهُ كُلُّ وَاحِدٍ بِإِخْرَاجِ
شَيْءٍ إِذَا صَارَ الْمَالُ الْمُرُوقُ بِمَجْمُوعَةٍ لِنَصَابٍ أَوْ كَتَابِ النِّقَاحِ عَلَى الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ (ص ۱۹۷)

اس کے بعد اس کی حکمت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں کہ۔

تَعْلِيمًا لِحُرْمَةِ الْأَعْمَالِ وَتَشْدِيدًا فِي الْمَحَافِظِ عَلَى حُقُوقِ الْبُعَادِ (ایضاً)
جبکہ نصاب سترہ تمام کے حصہ میں الگ الگ پورا نہ جانے کی صورت میں تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں

کہ تمام پرچہ باری ہوگی جیسا کہ علامہ الجزیری فرماتے ہیں۔

اَلْفَقْدُ الْاَلْمَلِیَّةُ عَلٰی اَنَّهُ لَوْ اَشْتَرَكْتَ جَمَاعَةً مِنَ الْمَلُوكِ فِي سَرِقَةِ شَيْءٍ مِنْ اَلْمَالِ وَنَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نَصَابَ السَّرِقَةِ یَجِبُ اِقَامَةُ الْحَدِّ عَلٰی كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ رَاۤیضاً مِیْلًا (۱۹)

عقل اعتبار سے بھی اس سلسلہ میں امام احمد کی بات ذنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس طرح قتل کے سلسلہ میں تمام مشترک اور شامل لوگوں پر حد لگائی جاتی ہے اسی طرح قطع بیہوشی بھی تمام کو شامل ہونا چاہیے۔

ایک پر بھی مدعا ہو۔۔۔ بالخصوص امام شافعی تو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی جماعت کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ دے تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ علامہ قرطبی اس مقام پر فرماتے ہیں۔

وَقَدْ سَاعَدْنَا الْمَشَافِعِیَّ عَلٰی اَنَّ الْجَمَاعَةَ اِذَا اَشْتَرَكُوْا فِی قَطْعِ یَدٍ رَجُلٍ قَطَعُوْا وَلَا فَرْقَ بَیْنَهُمَا (قرطبی ص ۱۶۲)

علامہ فرماتے ہیں۔۔۔ اِذَا اَشْتَرَكْتَ جَمَاعَةً فِی لِقَبٍ وَدَخَلُوا الْحِزْمَ وَخَرَجَ بَعْضُهُمْ نَصَابًا وَكَمْ یَخْرُجُ الْاُخَرُ فَا قَطَعُ عَلٰی جَمَاعَتِهِمْ (الاحکام ص ۲۵)

اس اختلاف سے بھی درحقیقت زیادہ فائدہ ساری کو پہنچتا ہے خواہ وہ اندرونی اور خارجی کے تحت ہو یا کسی اور وجہ سے اور لوگوں کے اموال کی حفاظت کم ہوتی اور جب تک ایسی صورت حال باقی رہے گی دراصل ایسے جرائم کا انسداد ممکن نہ ہوگا۔ اور بعض اوقات ایسے اختلافات سے اس قدر ناجائز فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا کہ تمام قوانین سرحد کے معطل ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اسی بات پر اٹھارہ تشریح کرتے ہوئے

علامہ الجزیری کچھ یوں رقم طراز ہیں کہ

وَلَا تَعْقُوْبَةُ اِنْسَانٍ تَعْلُقُ بِقَدْرِ مَالِ الْمُسْرِقِ۔ اَمٰی اِنَّ هَذَا الْقَدْرَ مِنَ الْمَالِ الْمُسْرِقِ هُوَ الَّذِیْ یُوجِبُ اَلْقَطْعَ لِیَحْفَظَ الْمَالُ وَمَوَاعَاةٌ لِّعَرْمَتِهِ حَتّٰی تَسُدَّ الْبَابَ اَمَامَ عَصَا بَابِ الْاَجْرَامِ اَلَّتِیْ تَجْمَعُ عَلٰی نَهْبِ اَمْوَالِ النَّاسِ (کتاب الفقہ ص ۱۹)

رباقر آئندہ انشاء اللہ

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

کراچی کے لیے نمائندہ خصوصی

فون نمبر ۲۱۵۳۳

احباب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم نے کراچی میں محدث کے کام کو منظم کرنے کے لیے پروفیسر محمد یامین محمد صاحب کو اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے۔ محدث کے سلسلہ میں قلمی رابطہ اور محدث کی خصوصی اور عمومی اشاعتوں کے وقت حصول کے لیے حسب ذیل پتہ پر روزانہ ۲ تا ۵ بجے سہ پہر تک شخصی طور پر مل سکتے ہیں۔

آزاد کینڈی، مفصل جہاں العلوم سعودیہ۔ کلکتہ ہاؤس۔ علامہ یوسف روڈ، عامل سٹریٹ (بزنس روڈ) کراچی

فلسطین فلسطینیوں کا ہے

فلسطین جسے قدیم زمانے میں مائو پھر سرگون اعظم کے زمانہ میں ارض ایمرامٹ - یونانیوں کی تاریخ میں سیریا - رومیوں نے فلسطائن، فونیقیوں کی مناسبت سے فونیسیا - بابلی نوشتوں میں کنعان، مبعی نشیبی زمین - عربوں نے شام مبعی بایاں - ترکوں سنجاک آف یروشلم یا ولایت بیروت - یہودی ارض اسرائیل اور عیسائیوں نے ارض مقدس کہا ہے، آج سیاسی لحاظ سے دنیا کا اہم ترین قطعہ ارض بنا ہوا ہے۔ مذہبی طور پر یہاں یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں اور سیاسی طور پر تینوں اقوام کے مفادات اس خطے سے وابستہ ہیں۔ دونوں قسم کے عوامل اس قدر جاندار ہیں کہ ان کے باعث پوری دنیا تباہی کے کنارے آن لگی ہے۔ تینوں اقوام میں سے کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے تینوں کا خیال ہے کہ فلسطین پر صرف ان کا حق ہے اور کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔ ہم آج کائنات میں مسئلہ فلسطین کے حقیقی پس منظر کو ایک غیر جانبدار مؤرخ کی نظر سے دیکھ کر تاریخی پر اس کے صحیح خدوخال واضح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں کے اصل باشندے کون تھے ہیں کیونکہ وہی اس کے صحیح دار ہیں اور کون کون سی اقوام کہاں کہاں سے آکر کن کن ادوار میں کن مقاصد کی خاطر یہاں آباد ہوئیں۔ ہماری نظر میں اس مسئلے کے حل میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ تینوں اقوام کے مقدس مذہبی مقامات یہاں موجود ہیں اور کوئی بھی قوم طبعی طور پر اپنے مقامات مقدسہ سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ہم اپنے قلعے بیت اللہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے اسی طرح عیسائی اور یہودی بھی فلسطین میں موجود اپنے قلعے سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ہم مسجد اقصیٰ سے دستبردار نہیں ہو سکتے اسی طرح یہودی حضرت موسیٰ کی یادگاہوں اور عیسیٰ کی حضرت عیسیٰ کی یادگاہوں سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ہماری نظر میں اس مسئلے کا واحد حل فرزند مرزینہ کا نظریہ ہے کہ زمین انہی کی ہے جو وہاں کے اصل باشندے ہیں۔ اس لیے زیر نظر مضمون کے آغاز میں ہم ہی بحث کرنا چاہتے ہیں کہ فلسطین کے قدیم ترین باشندے کون سے ہیں۔ آیا وہ قوم دنیا میں اب موجود ہے۔ اگر موجود نہیں ہے تو ان کے بعد قدیم ترین کون سے ہیں۔ اگر وہ نسل بھی اب موجود نہیں ہے تو کون سی قدیم ترین نسل موجود

ہے جسے فلسطین کا وارث تصور کیا جائے اور فلسطین کے آتش کدے کو سرد کیا جاسکے۔ آئیں ہم آپ کو اس مقصد کی خاطر از مندرگوشہ میں لے جلتے ہیں۔

فلسطین اپنی مخصوص تاریخ کے اعتبار سے محض ایک قطعارضی کبھی نہیں رہا۔ بلکہ جزائیہ نے اسے کچھ ایسی اہمیت عطا کر دی ہے کہ تاریخ ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہی ہے اور یہ ہر دور میں بین الاقوامی استخوان نزاع بنا رہا ہے۔ اس قطعہ ارض میں انسان اس وقت سے آباد ہے جب سے انسانی زندگی تاریخ کی روشنی میں آئی ہے۔ یہ بات یروشلم کے شمال مغرب میں واقع قادئی نطوف کے وسطیٰ معمری دور کے آثار قدیمہ سے پائیدار ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ حالیہ کھدائی سے جو باہلی اور مصری ریکارڈنگز ہاں ہوا ہے اس کی مدد سے ہم جہانیوں سے قبل کی تاریخ بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے فلسطین میں اسرائیلیوں سے قدیم تر باشندوں کا پتہ چلتا ہے۔ آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے لیے سلسلہ میں لندن میں فلسطین ایکسپلوریشن فنڈ قائم کیا گیا۔ پھر جرمن اور منٹس سوسائٹی اور فرینچ باہلی سکول آف یروشلم وجود میں آئے۔ جن کی کادشوں سے سلسلہ میں جنوبی جوڈیا میں کھدائیوں کا علمی کام شروع ہوا اور ارض مقدس سے متعلق بہت سی معلومات منظر عام پر آئیں۔ جن کے مطابق تین ہزار قبل مسیح میں یہاں سامی آباد تھے اور ان سے پہلے یہاں کوئی اور نسل آباد تھی جن کے غیر سامی ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ ڈاکٹر میکس ہلین بارن کے مطابق اس علاقے میں کم از کم دس ہزار سال پہلے انسان آباد ہوا۔ یہ لوگ غاروں میں رہتے تھے۔ کیونکہ ایک غار سے شیر کی ہڈیوں کے ساتھ انسانی پنجر بھی ملا ہے۔ کھدائیوں کے باعث ایک ایسے دور کے آثار بھی ملے ہیں جن لوگوں کا گزارہ صرف شکار پر تھا۔ یہ لوگ غیر سامی تھے کیونکہ وہ اپنے مردوں کو جلادیتے تھے جو آریاؤں کی رسم ہے (سامی اپنے مردے دفن کرتے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ غاروں کے یہ مکین ہورائٹ یا ہرم تھے جو ابڈوماٹس کے اجداد تھے۔ اسی بنا پر بعض علماء کا خیال ہے کہ کنعان و فلسطین کے اصل باشندے یہی ہیں۔ مصری نوشتوں کے مطابق کھانی یہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ یہ نام ہیٹیوں کے پرانے پایہ تخت کی مناسبت سے ہے۔ یہ لوگ غیر سامی تھے۔ تورات سے بھی یہاں غیر سامی اقوام کا وجود ملتا ہے۔ اسی لیے علماء کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ تین ہزار سے ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک فلسطین میں غیر سامی آباد تھے جن کی طاقت عبرانیوں نے ختم کی اور طویل جدوجہد اور لڑائیوں کے بعد ارض مقدس پر اپنا تسلط جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اسی قسط کی بنا پر وہ آج بھی اس علاقے کے دعویٰ دار ہیں۔

سامی حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام سے منسوب ہیں اور تاریخ میں ان سے وہ

لوگ مراد ہیں جو شمال میں سیرین کے نام سے جنوب میں عربوں کے نام سے، مغرب میں موابیوں، فونیقیوں اور عبرانیوں کے نام آباد تھے۔ اس سارے علاقے کو ہلالِ زرخیز کہتے ہیں۔ سامیوں کا اصل وطن عرب تھا جہاں سے آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوتے رہے۔ تاریخ میں ایسی چار ہجرتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کنعان یا فلسطین میں سامیوں کا آکر آباد ہونا دوسری ہجرت کہلاتا ہے۔ عبرانیوں کے یہاں آنے سے پہلے سامیوں کے دو گروہ کنعانی اور اموری یہاں آباد تھے۔ کنعانی ساحلی علاقوں میں رہتے تھے اور اموری پہاڑوں میں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہاں پہلے اموری آئے پھر کنعانی۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان میں کوئی شاہدیت نہ تھی۔ ان کے بعد جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ سامیوں کا ہی ایک اور گروہ جسے بعد میں عبرانی اور آگے چل کر اسرائیلی اور یہودی کہا گیا علاقہ فلسطین میں آکر آباد ہوا۔

تورات کے مطابق عبرانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں جو سمریوں کے دار الحکومت اُرسے ہجرت کر کے کنعان یا فلسطین میں آکر آباد ہوئے۔ اُرحضرت موسیٰ سے دو ہزار سال قبل تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ حضرت ابراہیم کی ہجرت کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق سے آنے والے نوجوان قبیلوں نے اس عظیم سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طوفانِ نوح جیسے ایک اور طوفان نے ان کو تباہ کر دیا ہو کیونکہ اس سلطنت کے شہر تاریخ میں چار ہزار سال تک پھر کہیں نظر نہیں آئے۔ بہر حال کسی بھی وجہ سے اگرچہ یہ سلطنت برباد ہو گئی تاہم ان کا تحریری اثاثر موجود رہا جو مصر پہنچا۔ پھر اسیریا یا بابل کی سلطنتوں میں پہنچا۔ پھر یونان اور یورپ کے دوسرے ممالک میں اور براستہ ایران دریائے سندھ کے کناروں تک پہنچا۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیریوں کی یہ سلطنت مشرق اور مغرب میں تہذیبوں کی ماخذ ہے۔ ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سائرس تین ہزار سال قبل مسیح میں جب کہ مصر میں بھی دشت کا دور دورہ تھا اُن کے لوگ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں سے شاہکار تخلیق کرتے تھے۔ یہاں کے ماہرینِ تعمیرات دورِ جدید کے اصولِ تعمیر سے خوب واقف تھے۔ اہلِ سمیریا کتابت کو کافی ترقی دے چکے تھے۔ فنِ سپرگری میں مافیِ تھے۔ خشکی اور سمندری راستوں سے دنیا کے دیگر ممالک سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے۔ لکڑی کا کام بہت عمدہ کرتے تھے۔ نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ بلیوں سے ہل چلا کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کا اپنا مجموعہ قوانین اور منظم مذہب تھا۔ اور قدیم زمانے میں اس علاقے سے زیادہ خوش حال کوئی علاقہ نہیں دیکھا گیا۔

اس علاقے سے ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور آٹھ سو میل کا فاصلہ طے کر کنعان پہنچے۔ راستے

میں پہلے حوران (ترکی میں ہے) پہنچے۔ پھر ساحل کے ساتھ ساتھ اس پرانے کاروانی راستے پر چلتے گئے جو فرات اور نیل کے شہروں کو ملاتا ہے۔ شاید وہ دمشق میں بھی رکے لیکن یہاں ماحول کو سازگار نہ پا کر آگے پہاڑی علاقوں کی طرف چل دیے۔ جہاں اگرچہ کاشت مشکل تھی لیکن امن و سکون میسر آسکتا تھا۔ یہ کنعان کا وہ حصہ تھا جسے بعد میں فلسطین کہا گیا۔ کنفانیوں نے ان نوادروں کو ابرس یا ابرم (دوسری جانب) کہا۔ یعنی دریائے فرات و اردن کے دوسری جانب سے آنے والے۔ یہی لفظ بعد میں یہودی یعنی عبرانی بن کر اس نسل کے لیے مخصوص ہو گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فلسطین ~~عبرانیوں~~ کا اصل وطن نہیں ہے بلکہ ان کا یہاں نو وارد ہونا خود ان کے نام میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد قدیم میں عبرانیوں نے فلسطین کو کبھی اپنا وطن نہیں سمجھا اور جب انھیں محسوس ہوا کہ کسی اور علاقے میں انھیں زیادہ مفادات مہیا ہو سکتے ہیں تو یہ خورگ دوسری جگہوں کی جانب چل دیے۔ جس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ان کا مصر آکر آباد ہو جانا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ حضرت ابراہیم کے پڑپوتے حضرت یوسفؑ فرودخت کر کے مصر پہنچا دیے گئے۔ جہاں مغربی ایشیا کے سامی النسل چرواہوں کا ایک قبیلہ ہامیکاس حکمران تھا۔ یہ قبیلہ خود غیر ملکی تھا اس لیے غیر ملکیوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور مصریوں کو دباتا تھا۔ اس قبیلے کی حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث وزیر خوراک کے منصب تک پہنچ گئے۔ اس زمانے میں ایک عالمگیر قحط سے مجبور ہو کر ان کے بھائی مصر آئے۔ جنھیں نیل کے ڈیلٹا میں ارض گورن میں آباد کر دیا گیا۔ اس طرح عبرانی فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے اور صدیوں تک یہیں مقیم رہے۔ اس وقت تک ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا تھا کہ فلسطین ہمارا وطن ہے اور نہ ہی انھوں کو مصر کو اپنا وطن قرار دیا۔ بلکہ سیاسی اور معاشی اغراض سے مصر میں مقیم رہے اور جب یہاں یہ اغراض پورا ہونا بند ہو گئیں تو پھر مصر سے نکل کھڑے ہوئے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ہامیکاس جب عیانیوں میں مصروف ہو کر جانبازی سے عاری ہو گئے تو مصریوں نے ان کے خلاف بغاوت کر کے پندرہویں صدی قبل مسیح میں مصر میں ایک نئی اور مضبوط حکومت قائم کر دی جس نے بڑی بڑی تعمیرات کا سلسلہ شروع کیا جس کے لیے بیگار کی ضرورت تھی۔ گورن کے علاقے میں صحت مند عبرانیوں کو جو غیر ملکی ہونے کے باوجود صدیوں سے وہاں آباد تھے انھیں کھٹکنے لگے اور بیگار کا قرضہ ان کے نام پر لگیا۔ نیز یہ مصری حکومت اس بات سے بھی خائف تھی کہ ایک خاص علاقے میں آباد خوش حال اور مضبوط غیر ملکی قوم کہیں ان کے اقتدار کو چیلنج نہ کر دے اس لیے انھوں نے عبرانیوں پر سختیاں شروع کر دیں جن سے تنگ آکر اور کچھ وقتی مذہبی اسباب کے

تحت یہ لوگ حضرت موسیٰ کی سرکردگی میں مصر سے نکل گئے اور فلسطین کی راہ لی۔ ان کا خیال تھا کہ کنعانی پہلے کی طرح کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ لیکن انھیں شدید مزاحمت سے واسطہ پڑا جس کے نتیجہ میں یہ لوگ ہمت ہاریٹھے اور چالیس سال تک دشت نور دی کرتے رہے۔ بعد ازاں شکست و فتح کا کھیل کھیلے ہوئے رفتہ رفتہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین میں سرچھپانے میں کامیاب ہو گئے۔ تورات گویا ہے جب یوشع بوڑھا ہو گیا تو خدا نے اسے کہا تم بوڑھے ہو گئے ہو لیکن ابھی بہت سا علاقہ فتح کرنے کے لیے باقی ہے جس میں مصر کی سرحدوں سے لے کر وہ نام علاقہ شامل ہے جو کنعانیوں کا علاقہ کہلاتا ہے۔ میں بنی اسرائیل کے داغے سے قبل وہاں کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کروں گا۔ تم بنی اسرائیل کو ان کی جگہ لینے کے لیے تیار کرو۔

فلسطین میں مکمل برتری حاصل کرنے سے قبل عبرانی جہاں جہاں آباد ہوئے وہاں انھوں نے قلعہ بند شہر بنالیے تھے اور کنعانیوں سے دوستانہ روابط پیدا کر کے زراعت میں مشغول ہو گئے۔ کنعانی بھی ایسے ہی شہروں میں رہتے تھے جو اکثر میدانی علاقوں اور خال خال پہاڑی علاقوں میں واقع تھے اور اکثر رقبہ خالی پڑا تھا۔ یہی بات یہاں عبرانیوں کے قدم چنے کا باعث بنی۔ بعد میں جب دونوں اقوام کے مفادات ٹکرائے تو ان میں پھر حالت جنگ پیدا ہو گئی۔ جنگ گیسن کی کہا فی عبرانیوں میں اسی دور کی یادگار ہے جس کے مطابق اموراٹس کے بادشاہ نے عبرانیوں پر حملہ کر کے انھیں بے گھر کر دیا تھا (تورات میں کنعانیوں کو اموراٹس اور مٹی بھی کہا گیا ہے) بعد میں پانچ پلٹ گیا اور عبرانیوں نے کنعانیوں کے شہر جرون اور ڈیسر وغیرہ فتح کر لیے اور تقریباً گیارہ سو سال قبل مسیح میں فلسطین کے منظر پر کنعانیوں کی بجائے عبرانی جلدوگر ہو گئے۔ ورنہ اصل میں یہ سرزمین کنعانیوں کی ہی تھی جب کہ تورات میں ہے وہ — وہ جگہ جہاں تم اجنبی ہو کنعانیوں کی سرزمین ہے۔

کنعانیوں کی اس سرزمین پر عبرانیوں نے قابض ہو کر ایک عظیم سلطنت قائم کی۔ جس کا دار الحکومت جرون تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے خیال میں یہ جگہ پائے تحت کے لیے مناسب نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے موجودہ یروشلم کو جسے اس وقت جیوساٹ کہتے تھے منتخب کیا۔ سلیمان علیہ السلام نے عبرانیوں کی مرکزی عبادت گاہ تعمیر کرائی جسے ہیکل کہا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ۹۶۱ ق م میں بادشاہ ہو کر ۹۷۲ ق م میں فوت ہو گئے جس کے نوراً بعد شیش اک مصری نے ہیکل تباہ کر دیا اور معبد کا قیمتی طلائی سامان لوٹ کر لے گیا۔ حضرت سلیمان کی وفات کے بعد عبرانیوں کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کا نام جوڈیا تھا جس کا پایہ تخت یروشلم تھا۔ اس کا مکران حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا رحصام بنا۔

اور بعد ازاں اولاد سلیمان عرصہ تک یہاں مکران رہی۔ دوسری ریاست کا نام اسرائیل تھا جس کا دارالحکومت سامریہ تھا۔ یہاں عبرانیوں کے دس قبائل آباد تھے۔ ان دونوں ریاستوں کی داخلی تاریخ باہمی قتل و غارت اور سازشوں سے چرچے۔ آخر ۷۲۱ ق م میں اسرائیل کی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں اور ۵۸۶ ق م میں جوڈیا کی ریاست بابلیوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ بخت نصر شاہ ہشتاہ بابل نے ۵۹۷ ق م اور ۵۸۶ ق م میں یکے بعد دیگرے جوڈیا پر حملے کیے اور آخری حملے میں ہیکل کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا۔ خزانہ اور متبرک اشیائے لوٹ کر ساتھ لے گیا اور بے شمار عبرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر لاقعدہ افراد کو گرفتار کر کے بابل لے گیا اور یگانگیمپوں میں محبوس کر دیا۔ تا آنکہ ایرانی بادشاہ سائرس نے ۵۳۹ ق م میں بابل فتح کر لیا اور بابلیوں کے مقبوضات اس کے قبضے میں آ گئے۔ اس نے عبرانیوں کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی اور ۵۱۷ ق م میں یہ لوگ دوبارہ ہیکل تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سکندر نے ایران پر غلبہ حاصل کیا تو فلسطین اور عبرانی سکندر کے محکوم ہو گئے اور اس کی موت کے بعد یہ چیزیں اس کے جرنیل پٹولمی کے حصے میں آئیں۔

۶۰ ق م میں ہیکل پر پھر تباہی نازل ہوئی۔ اس کی بنیادوں میں ہل چلا دیا گیا۔ ۳۱ ق م کے بعد ہیروڈ نے اسے دوبارہ بنوایا۔ لیکن ۶۹ء ٹائیس نے فلسطین کو تروبالا کر کے ۲۹ راکت فٹہ کویر و شتم پر قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ ہیکل کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ مقدس صیغوں کو نکال کر فتنے کی یادگار کے طور پر روم لے گیا اور یروشلم کے گرد غیر یہودی آبادیاں قائم کر دیں۔ قیصر یاریان (۱۱۷ء تا ۱۳۸ء) نے ہیکل کی جگہ پر جو پیٹر کا مندر بنوایا اور پانچ لاکھ یہود کو قتل کر دیا اور پورے سال میں صرف ایک دن انھیں یروشلم آنے کی اجازت ملتی۔ جس روز ٹائیس نے بیت المقدس کو مسمار کیا تھا کہ خدا کے پیاروں کے ناخلف اگر یہاں رولیں۔ اس شخص نے یروشلم کے کھنڈرات پر ایک نیا شہر تعمیر کر کے اس کا نام "ایلیا کاپی تولینا" رکھا۔ اس واقعہ کے بعد فلسطین میں عبرانیوں کا یا تو داخدا خدہ ہی منور رہا یا اگر آئے بھی ہیں تو قیام اسرائیل تک محکموں کی حالت میں۔

آج یہ قوم فلسطین کے دعویداروں میں سرفہرست ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ داؤد و سلیمان کی سرزمین ہمارا ورثہ ہے اور جن طرح ہر قوم کا ایک وطن ہوتا ہے اسی طرح یہ علاقہ ہمارا وطن ہے جہاں سے ہمیں جبراً نکال دیا گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ اختصار کے ساتھ بتایا جا چکا ہے یہ لوگ عہد قدیم میں بھی یہاں باہر سے آکر اور مقامی باشندوں کو باکر آباد ہوئے تھے اور جوں ہی ان کے مفادات متقاضی ہوتے یہ بے دریغ نئے علاقوں کی طرف چل دیتے رہے ہیں اس لیے ان کا موجودہ دعوئی قطعاً

بے بنیاد ہے۔ اس کی مزید تفصیل اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اب ذرا دوسرے دعویداروں سے تعارف حاصل کر لیں۔

یہودی کی جلاوطنی کے بعد فلسطین رومی قیصروں کے زیرِ نگیں رہا۔ اس دور میں یہاں عیسائیت نے جڑیں کھڑیں۔ تا آنکہ ۳۲۶ء میں رومی قیصر فلسطین نے عیسائیت قبول کر لی۔ جس نے اس مذہب کے فروغ کے لیے بھرپور ساعی کا آغاز کر دیا۔ اس نے ہیکل سلیمانی کی جگہ گر بنوا دیا۔ یروشلم میں کئی اور گرجے بھی بنائے اور میچ کی یادگاروں پر عمارات تعمیر کرائیں جن کی زیارات کے لیے ہزار ہا عیسائی یہاں آنے لگے جن کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے گئے۔ اس طرح یروشلم ایک عیسائی شہر اور فلسطین ایک عیسائی ملک کی صورت اختیار کر گیا۔ صلیب مقدس تلاش کی گئی۔ فلسطین کی ماں سینٹ ہلنا نے یروشلم کی زیارت کے سفر کو مقدس مذہبی رنگ دے دیا۔ بعد کے قیصروں نے بھی ایک عیسائی شہر بنانے میں بھرپور حصہ لیا اور ان کی زیرِ سرپرستی عیسائیوں کی جانب سے یہودیاء عربیوں پر مظالم کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ مسیح اور ان کے اولین پیروکاروں پر عربیوں نے جو مظالم کیے تھے ان کا بدلہ لینے کا وقت آچکا ہے۔ گریشین اور تھیودوسیوس اعظم بڑے متعصب عیسائی بادشاہ تھے۔ انھوں نے غیر عیسائیوں کو سخت سزائیں دیں۔ ۳۹۱ء میں سکندریہ کا مشہور کتب خانہ جلا دیا یہ وہی کتب خانہ ہے جس کے جلانے کا الزام مشرقین سیدنا عمر فاروقؓ پر لگاتے ہیں (ظلم و تعصب کا یہ دور ۶۱۴ء تک جاری رہا۔ پھر خسرو شاہ ایران نے رومیوں سے ہتھیار لیا اور عیسائی مکانات محل کی زد میں آ گئے۔ ہزار ہا عیسائی تہ تیغ کر دیے گئے۔ مزار مقدس کے کلیسا اور دوسرے چرچ تباہ کر دیے گئے۔ ہیکل پہلے سے ہی برباد ہو چکا تھا۔ پھر ۶۲۹ء میں ہرقل نے شہر کو شکست دے کر یروشلم کو دوبارہ عیسائی قبضہ بحال کیا اور یہودیوں کے یہاں داخلے کی پھر سے ممانعت کر دی تا آنکہ ۶۳۹ء میں حضرت فاروق اعظمؓ اپنے ایک غلام کو اونٹ پر بٹھائے بیت المقدس کی چابیاں حاصل کرنے کے لیے شہر مقدس تشریف لائے اور بطریق بیت المقدس بے اختیار پکارا تھا کہ مصحف آسمانی کا لکھا پورا ہو گیا۔ وہ اپنے غلام کے اونٹ کی ہمارے ہمارے شہر میں داخل ہو گا۔ اس طرح شہر مقدس ایک اسلامی شہر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آیا۔ گویا ۶۳۸ء سے ۶۴۱ء تک یہ شہر عیسائی حکومت کے زیرِ نگیں رہا اور زمین صدیوں کا یہ قبضہ ان کے دعویٰ فلسطین کی ایک غیبیاد بن گیا۔

عیسائیوں کا فلسطین پر دعویٰ ہر دور میں رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ ان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ کی جائے ولادت ہے۔ وہ یہیں پروان چڑھے۔ یہیں انھیں نبوت ملی۔ ان کی تبلیغ کا میدان بھی

یہی علاقہ ہے۔ یہیں انھیں پھانسی دی گئی۔ اور پھر آسمان پر جانے سے قبل وہ یہیں دفن ہوئے۔ ان کا قبلا و کعبہ یہی علاقہ ہے۔ مزید برآں ابتدائی عیسائیوں میں عبرانی یہودیوں کی کثیر تعداد شامل تھی اس لیے اگر فلسطین عبرانیوں کی میراث ہے تو یہ اب عیسائیوں کی جانب منتقل ہو جانی چاہیے۔ اپنی یہ میراث حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے ہر دور میں کوشش کی ہے۔ ہم ان کے دعویٰ پر بحث کرنے سے قبل اس ارض مقدس کے دعویٰ داروں میں تیسے فرقے کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ جو مسلمان ہیں۔

خطہ فلسطین مسلمانوں کا قبلا و کعبہ ہے۔ یہاں ناخمازہ و روضہ پہلے ہی مسلمان اس جگہ سے قبلہ و ابلیگی رکھتے تھے۔ واقعہ معراج میں یروشلم مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ فتح بیت المقدس کے بعد مسلمانوں نے اس کی عظمت و تقدس کو چار چاند لگا دیے۔ مکہ مذہبی آزادی عطا کی۔ باشندوں کے جان و مال و آبرو کی مکمل حفاظت کی۔ یہاں لاثانی مذہبی عمرات تعمیر کرائیں۔ ولید نے مسجد اقصیٰ بنوائی۔ سلیمان نے رملہ نامی شہر بسا کر اسے فلسطین کا دار الحکومت بنایا۔ یہوونے اپنی صدیوں پرانی اکیڈمی آف طریاس یروشلم میں منتقل کر لی۔ عبد الملک نے عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دے کر جب اس کی نشوونما کے لیے اقدامات شروع کیے تو عبرانیوں کو بھی اپنی مردہ زبان کی نشاۃ ثانیہ کا خیال آیا جس کے نتیجہ میں عبرانی زبان پھر سے محفوظ ہو گئی۔ گویا اس ارض مقدس میں تاریخ میں پہلی مرتبہ تینوں مذاہب کے لوگ مکمل امن و امان سے رہتے گئے تا آنکہ عیسائیوں نے اپنے سابقہ اقتدار کے نشے میں گیا رہو جس صدی عیسوی میں اس علاقے میں مسلم اقتدار کو چیلنج کر کے مسلسل دو صدیوں تک کے لیے امن و امان کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ یہ دور تاریخ میں صلیبی جنگوں کا دور کہلاتا ہے۔ ان جنگوں کے اسباب مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھے۔ مثلاً ایشیائے کوچک واپس لینے کی ایک کوشش میں رومی بادشاہ بذات خود گرفتار ہو گیا۔ ایسے خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان اب اس کے پایۂ تخت کو بھی روند ڈالیں گے لہذا اس نے عیسائیوں کے مذہبی گروہ براہمگیتھ کر کے مسلمانوں کے مقابل لاکھڑا کیا۔ کلیسائے روم کا پاپائے اعظم عالم عیسائیت میں تفوق و برتری کی سب سے بڑی علامت تھا لیکن کلیسائے یونان اس کا اقتدار تسلیم نہ کرتا تھا۔ جو مشائخ سے الگ حیثیت مندا چکا تھا۔ یروشلم پر قبضہ کی صورت میں دونوں کلیساؤں کے ایک ہو جانے اور پاپائے روم کے غلبہ کی امید تھی اس لیے اس نے مذہب کی آڑ لے کر اپنی سیاست چمکانے کی کوشش کی۔ یورپ کے عوام کی معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی اور وہ شام و فلسطین کے مسلمانوں کی مال و دولت کے قصے سنا کرتے تھے۔ لوٹ مار کے شوق نے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اور یہ

سب عوامل اس ایک واقعے کھل کر سامنے آ گئے جب کہ فاطمی خلیفہ الحاکم نے عیسائیوں کی صلیب مقدس کے ساتھ ان کے بقول غیر شائستہ سلوک کیا تھا اور یہ خطہ دو صدیوں تک جنگ کی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یہ جنگیں ختم ہوئیں اور عیسائی اپنی پوری مشرقی سلطنت دے کر کبیل سے جان چھڑا سکے۔ دعویٰ فلسطین بھی بظاہر واپس لے لیا گیا۔ کیونکہ رچرڈ شیردل نے یہ علاقہ اپنی بہن کے جہیز میں مسلمانوں کو دینے کی پیشکش بھی کر دی تھی۔ فلسطینیہ میں عیسائی سلطنت راکھ کا ڈھیر بن گئی اور یہ عظیم شہر آج بھی مسلمانوں کا شہر ہے۔ یزنان و بلقان جو کسی زمانے میں رومن صوبے تھے مسلمانوں کی کالونی بن گئے۔ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو یورپ میں عمل دخل کا موقع مل گیا جس سے وہاں جمہالت کا خاتمہ اور سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔ شاید یہی ایک نائدہ تھا جو دو صدیوں کی جنگوں سے عیسائیوں کو حاصل ہوا۔

صلیبی جنگوں کے بعد یہ علاقہ مسلمان حکمرانوں ہی کے زیر نگین رہا۔ اسس کی پاسبانی کے فرائض عثمانی ترک سر انجام دیتے رہے۔ ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم نے اس پر قبضہ کیا تو یہودیوں کو آکر آباد ہونے لگے۔ اس سے قبل سپین ان کا محبوب علاقہ تھا۔ یورپی حملہ کے تباہی ہوئے یہودی وہاں جا کر پناہ لیتے تھے اور وہاں کے علمی ماحول میں پہنچ کر علم و فن کے غامد بن جاتے تھے۔ موسیٰ بن میمون جس نے شریعت یہود کو از سر نو مرتب کیا تھا سپین ہی کا رہنے والا یہودی تھا۔ پھر سپین سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد یہود پر بھی وہاں کی فضا تنگ ہو گئی اور ان کا رخ فلسطین کی جانب ہو گیا۔ عثمانیوں نے انھیں مذہبی آزادی عطا کی۔ یہاں ان کی مذہبی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ جس کا مرکز سیفہ نامی جگہ بنی جہاں سپین سے بھاگ کر آیا ہوا ایک یہودی عالم جیکب براب آباد ہو گیا تھا۔ عثمانی سلطان نے ایسے پناہ گزینوں کو آباد کاری کے لیے طبریہ کے گرد زمین عطا کی۔ عیسائیوں سے ان کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھگورہوں کو عیسائی جہازوں میں سفر کرنے کی اجازت بھی نہ دی۔ ترکوں کے ہمدردانہ رویہ کے باعث یروشلم اور فلسطین میں ان کی تعدادیں اضافہ شروع ہوا۔ مشہور سیاح گبروندی کے مطابق ۱۲۶۷ء میں یروشلم میں صرف دو یہودی خاندان آباد تھے۔ ۱۲۸۸ء میں پورے فلسطین میں ان کے خاندانوں کی تعداد ۷۰ تھی۔ ۱۲۹۵ء میں بڑھ کر ۲۰۰ ہو گئی۔ ترکوں کی روداداری کے باعث یہ تعداد بڑھتی گئی تا آنکہ انیسویں صدی کے آغاز میں فلسطین میں یہود کی آبادی ۸ ہزار ہو گئی۔ ترک مسلمانوں کے حسن سلوک کا بدلہ اس احسان فراموش قوم نے یہ دیا کہ فلسطین میں وطن یہود کے قیام کی کوشش شروع کر دی۔ ۱۸۹۷ء میں لارڈ ہرزل نے صیہونی تحریک شروع کر کے سلطان عبدالحمید

سے مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سلطان کے انکار پر اس نے قیصر ولیم آف جرمنی سے اس شرط پر سفارش کروائی کہ یہودی سلطان کے تمام قرضے چکائیں گے اور ترکی میں فیکٹریاں لگائیں گے۔ لیکن سلطان نے کورابواب دے دیا۔ اس پر ان لوگوں نے زیر زمین سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۹۰۸ میں سلطان معزول کر دیا گیا۔ عرب و عثمانی کی تقرین کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے لڑانا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جنرل ایمن بی نے فلسطین فتح کر لیا اور اس طویل مسلم دور کا خاتمہ ہو گیا جو سیدنا عمر فاروقؓ کی فتح بیت المقدس سے شروع ہوا تھا۔ بعد ازاں اس علاقے کو دو حصوں میں بانٹ کر اردن اور اسرائیل کی حکومتیں قائم کر دی گئیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس تقسیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہً کمی جنگیں ہو چکی ہیں اور حال اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا۔

بہر حال یہ ہیں فلسطین کے تیسرے دعویدار۔ آئندہ نشست میں ہم یہ دیکھیں گے کہ کس کا دعویٰ یعنی برحقاقت ہے اور کون محض دھونس اور دھاندلی سے کام لے رہا ہے۔

ماہنامہ محدث کے خصوصی پیشکش رسول مقبول ﷺ نمبر

منفرد اور نوالہ آب و تاب کے ساتھ، جامع اور مشامی شہکار

مولانا ابوالکلام آزاد کا غیر مطبوعہ، فکر انگیز اور نادر و متعالیہ سید ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ابوالسنان شاہجہان پوری، حبش (ریٹائرڈ) بدیع الزمان کیکاؤس، ڈاکٹر امان اللہ خاں، مولانا عنایت اللہ وارثی، مولانا عزیز زبیدی، پروفیسر اقبال جاوید، حافظ نذیر احمد، شریا بٹول، خالد علوی، اختر راہی، حمید اللہ خاں، عاصم نعمانی، آ بادشاہ پوری، ابوالقاسم جذبی، طاہر القادری، نظرنزیدی، عبدالغفار اثر، محمد امین سابق (جنگ پادری) حفیظ الرحمن احسن اور کئی دیگر شاہیر اعلیٰ قلم کی نگارشات سے مزین۔ مستقل خریداریوں کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجر حضرات کے لیے معقول کمیشن۔

شعرا حضرات۔ احسان دانش۔ عارف عبدالمبین۔ منظور احسن عباسی۔ حفیظ تائب۔ طاہر قریشی۔ عبدالرحمن عاجز۔ خواجہ عبدالغفار راز۔ طاہر شادانی۔

تازہ ایڈیشن : جلد اول قیمت - ۴ روپے جلد دوم قیمت - ۹ روپے

دفتر رابطہ، دفتر ماہنامہ محدث، بالائی منزل میسر حافظ عبد الوحید انڈیا رور

لام گل نمبر ۲ برائڈر تھ روڈ لاہور فون نمبر ۲۵۲۸۹۷ / ۶۳۲۱۰

تعارف و تبصرہ کتب

ارمغانِ حرم

ضمیمہ

جناب راسخ عرفانی

۹۹ صفحات مجلد مع رنگین گرد پوش

کاغذ، کتابت، طباعت نہایت اعلیٰ قیمت، ۱۲/- روپے

ناشر

مکتبہ نور، ڈائمنڈ بلڈنگ، گوجرانوالہ

جناب راسخ عرفانی دنیا کے شعراء و ادب میں محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ ایک نغمہ گو شاعر ہونے کے ساتھ ایک راسخ العقیدہ درد مند و عشق رسول سے سرشار مسلمان ہیں۔ یہ کتاب ان کے فنیہ کلام کا مجموعہ ہے حضرت راسخ نے ہر نکتہ میں گل افشانی گفتار کا معجزہ دکھایا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہمیں کیفِ سرور کے ایک ایسے چمستان میں پہنچا دیتا ہے جس کے ہر پھول اور پتی کی دلاویز خوشبو سے تمام جانِ معطر ہو جاتا ہے۔ ہر شعر شاعر کے ذوق و شوق، عشق رسول اور ندرتِ تخیل کا آئینہ دار ہے۔ ہمیں امید ہے کہ بارگاہِ رسالت میں جناب راسخ عرفانی کا یہ ہدیہ عقیدت و درجہ قبول حاصل کرے گا اور آخرت میں ان کے لیے وسیلہٴ نجات ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ! چند مقامات پر کھٹک پیدا ہوئی مثلاً صفحہ ۴۱ پر پہلا مصرع ہے۔ کوئی عیسے، کوئی موسیٰ ہو سیماں کوئی ملے

بلاشبہ حضورِ مہدی المصلین ہیں لیکن آپ کا دوسرا بندہ سے تعاقب کرتے وقت ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ کوئی 'کا' لفظ چلتا نہیں ہے۔ عیسیٰ عیسیٰ ہی تھے اور موسیٰ موسیٰ۔ اس صفحے پر تیسرے شعر میں بحرِ خفا کہ بحرِ خفا رکھا گیا ہے۔ صحیح اور فصیح تر لفظ زخار ہے۔

صفحہ ۴۹ پر یہ مصرع نظر ثانی کا محتاج ہے۔ ۲ سرِ مری نظر کا بھی اس کا جمال ہے جمال اور سرِ یعنی چہرہ

صفحہ ۵۲، ۵۳ اور بعض دوسرے مقامات پر گزراؤں کو گزرتے کتابت کیا گیا ہے یہ قدیم طرزِ تحریر ہے کچھ اس قسم کے الفاظ کوڑے کتابت کیا جاتا ہے۔ صفحہ ۵ پر بریں، میں یا کے لفظ چھوٹ گئے ہیں صفحہ ۱ پر آخر شعر نظر ثانی کا محتاج۔ یوسف جیسے بکلیں پیغمبر مفت پر بازار محمد علی اللہ علیہ وسلم

خود سرور کوئی نے منع فرمایا ہے کہ آپ کا تعاقب دوسرے انبیاء سے اس طرح کیا جائے۔

یہ گزارشات جذبیہ خیر خواہی پر مبنی ہیں ماشا و کلا لکھتہ عینی مقصود نہیں۔ فی الحقیقت یہ ایک بلند پایہ مجربِ نعت ہے اور ہر مسلمان گھرانے اور لائبریری میں رکھنے کے قابل ہے۔ (طالب ہاشمی)

مٹے جیسے منیٰ میں یہ مصرع یوں مناسب رہے گا: لے کے آجائے اگر محنتِ لیماں کوئی (مدیر)

Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

- ✱ عباد اور تعصب قوم کے لیے زمرہ اہل کی حیثیت رکھتے ہیں — لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر
- ✱ اہل ایم و تقسیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- ✱ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں سبب کا درجہ رکھتے ہیں —
- ✱ لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- ✱ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے — لیکن
- ✱ دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا جمہیت دینی اور غیرت اسلامی سے کیسرا خراف ہے۔
- ✱ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے۔
- ✱ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- ✱ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے لیکن
- ✱ عجد ابو دین سیاست سے گھری جاتی ہے چٹینی
- ✱ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد و صالحین کے اوصاف میں داخل ہے — لیکن جاہلیت کو نشانہ اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

مَحَلَّت

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی پرچہ ۱/۵۰ روپے

زیر سالانہ ۱۵ روپے